دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا دینی و علمی ماہنامہ

سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لدعوۃ الحق

ماہنامہ الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر
سمیع الحق

رجب	۱۳۹۳ھ
اگست	۱۹۷۳ء

شعبان	۱۳۹۳ھ
ستمبر	۱۹۷۳ء

فون نمبر دارالعلوم	۴
فون نمبر رہائش	۲

جلد نمبر	۸
شمارہ نمبر	۱۱ ، ۱۲

سالانہ چندہ	۱۰ روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ

سالانہ غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ
سالانہ غیر ممالک ہوائی ڈاک دو پونڈ

مقام اشاعت
دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کتابت
اصغر حسن

طابع
منظور عام پریس پشاور

ناشر
سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ

صرف اس شمارہ کیلئے ۱/۵۰ روپیہ

اس شمارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیمانۂ صبر چھلک اٹھا

ذٰلک جزینٰہم بما کفروا ۔ وھل نجٰزی الا الکفور

بدقسمتی سے مسلمانوں کی فطرت بھی زمانہ کے اثرات سے کتنی عجیب ہوگئی ہے کہ دو اور دو چار کی طرح کھلی حقیقتیں اور صداقتیں بھی اب ہماری مسلم اکثریت کیلئے ناقابل فہم ہوگئی ہیں۔ مسلمان کی طبیعت جب تک ایمانی قوت کی گرفت میں رہی تو احساس اتنا حساس اور شعور و ادراک اتنا تیز ہوتا کہ ارد گرد کے معمولی تغیرات اور چھوٹے چھوٹے انقلابات و حوادث بھی اس کے لئے صد ہزار عبرت و نصیحت کا سامان بن جاتے وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی ماحول کا جائزہ لیتا اعمال و کردار کا محاسبہ کرتا اور آفات و مصائب کی کسوٹی پر اپنے اور اپنے معاشرہ کو پرکھتا کسی ایک عزیز کسی ایک فرد کی موت سے بھی اس کی غفلتوں کے پردے چاک ہو جاتے اور سارے حقائق سامنے آجاتے اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اپنی مہر کی انگوٹھی میں یہ الفاظ کندہ کرائے تھے کہ ۔ کفیٰ بالمرء یا الموت واعظاً ۔ انسان کے لئے موت سے بڑھ کر واعظ نہیں ۔ اور ہمارے ایک بزرگ غالباً شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

ایک دوسری حقیقت انسانوں کی مشترکہ اور مجموعی کمزوری اسباب سے غفلت برتنا ہے ۔ پھر جب وہ نتائج دیکھتا ہے تو اپنی غفلتوں کا ماتم کرنے کی بجائے نتائج کی ہولناکیوں پر چیں بجبیں ہونے لگتا ہے اور جب نتائج کی تلخی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کو چھپانے کیلئے حالات کی ایسی توجیہ کرتا ہے جو نتائج اور اسباب سے تعلق جوڑ نہ سکیں ، نتیجۃً اصل اسباب تباہی و بربادی اسی طرح مستور و محجوب ہو کر رہ جاتے ہیں ، یہ بات قوموں کی غفلت و ادبار اور نہ سنبھل سکنے کے خطرے کی آخری نشانی ہوتی ہے ۔

مسلمانوں کی ذمہ داری تو اس بارہ میں دوہری ہے ، وہ نہ صرف نتائج کا رشتہ اسباب سے جوڑے گا

بلکہ اسباب کی تلاش میں مومنانہ فکر و نظر سے بھی کام لے گا کہ جب تک بیماری کی اصل وجوہات نگاہ میں نہ لائی جائیں مریض کا مرض اسباب و علاج کی فراوانی کے باوجود جان لیوا ہی ثابت ہوگا۔ مومن حالات و حوادث کی مادی تاویل کی بجائے ایمانی اور حقیقی توجیہہ کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک مومن قوم کو مادہ پرست اقوام سے ممتاز کرتا ہے ۔۔۔۔

اس تمہید کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ ہولناک ترین طوفان کرب و بلا اور سیلاب نوح کا جائزہ لیجئے اس کی وسعت اسکی ہمہ گیری اسکی گہرائی اسکی شدت اور امتداد اسکی تباہ کاریوں کو نگاہ میں رکھ کر بحیثیت مسلمان قوم قرآن کو اول تا آخر نہ سہی کسی بھی ہلاک اور معذب قوم سے متعلقہ چند آیات ہی کو پڑھ لیجئے اور پھر اس پر اپنی حالت قیاس کیجئے ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ مادی نظریات کی کوتاہ نظریوں سے حقائق کا ادراک کبھی نہیں ہو سکتا نہ مصیبت کا ازالہ بجز ایمانی طرز فکر کے ممکن ہے۔ قرآن کریم ایسے ہی سیلاب اور اس کے بندوں اور ہیڈورکسوں سے تباہ ہونے والی خوش عیش و خوشحال ایک قوم کی تباہی کا ذکر کرتا ہے۔ کہ ان پر یمن میں سدِ مآرب توڑ کر سیل عرم چھوڑ دیا گیا، گھروں اور کھیتوں میں سب لہلہاتے ہوئے باغات اور پھولوں سے لدے ہوئے گلزار چٹیل میدان بن گئے اور یہ اس لئے کہ ۔۔ فاعرضوا ۔۔ کہ انہوں نے اپنے رب سے اور اس کے عہد و پیمان سے اپنا رشتہ توڑ دیا تھا اور یہ تباہی و بربادی کیوں آئی۔ اس لئے کہ ذلک جزینٰہم بما کفروا۔ وھل نجزی الا الکفور یہ سب ان کی سرمستیوں اور ناشکریوں کا نتیجہ تھا اور کیا ہم کفران نعمت کرنے والوں کے علاوہ کسی اور سے بھی یہ سلوک کر سکتے ہیں۔؟ یمن کی یہ بھرپور اور سرسبز و شاداب آبادی کہاں گئی۔ اور مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور ہم نے بھی ان کو قصے کہانیاں بنا کر رکھ دیا۔ وظلموا انفسھم فجعلنٰھم احادیث ومزقنٰھم کل ممزق ان فی ذلک لاٰیٰت لکل صبار شکور۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ انجام ہر اس قوم کا ہوتا ہے جو اپنے مادی تہذیب و تمدن میں اتنی مدہوش ہو جاتی ہے کہ مادی، عمرانی اور اقتصادی منصوبوں کے علاوہ ارادۂ الٰہی پر ایمان و اعتماد اور اسباب کے خالق اور مسبب حقیقی پر یقین و ایمان کے سارے راستے اس کیلئے بند ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کے لیڈر، اہل حکومت، ارباب اقتدار، صنعت کار، کارخانہ دار اور فوجی طاقت سب کے سب اور مجموعہ مادی دائرہ میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ [illegible] منصوبوں اور اسکیموں کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں۔ وہ مادی اسباب و وسائل ہی پر تکیہ کرتے ہوئے بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ہر چیز [illegible] لیکن یکایک ارادۂ الٰہی ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے اور سارے دعوے ذلت و پستی، قحط و افلاس، تنگدستی و مہنگائی سیلاب و طوفان، جانی و مالی مصائب اور بربادیوں کی شکل میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم

نے دو باغ والوں کے قصے میں جس شرک اور کفر کا ذکر کیا ہے وہ یہی مادی کفر و شرک ہے جس کا ارتکاب حالات کی سنگینیوں کے دوران بھی ہم سے ہوتا رہا۔ ہم نے ٹھیک اُن ہی معذب اور مردود و مغضوب اقوام کا شیوہ اختیار کیا جو عین حالتِ عذاب میں بھی اپنے فکر و عمل کی گمراہیوں کا تدارک نہ کر سکے نہ ایسے حالات میں بھی امکانات آئی نہ رجوع و انابت نہ استغفار و تضرع نہ اعمال پر اشکِ ندامت نہ توبہ کی توفیق نہ اپنے اور اپنے گرد و پیش کا احتساب اور موازنہ بلکہ ہم نے اور ہماری بڑی سے بڑی اونچی ذمہ دار شخصیت وزیرِ اعظم تک نے جو اندازِ فکر اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بڑی سختی سے سیلاب کا مقابلہ کیا جائے گا —— ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا —— پانی کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (مساوات) ہم اس سے نمٹنے کیلئے تمام وسائل استعمال کریں گے (امروز) ہمارے ذرائع ابلاغ بھی مسلسل یہ تلقین کرتے رہے کہ سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیے۔ کہیں سے بھی اس کے اسباب، حقیقی امکانات، عمل کے نتائج اور شامتِ اعمال کے ظہور کیطرف قوم کے دل و دماغ کا رخ پھیرنے کی صدا نہ آئی۔ اور معاشرہ کی حالت کیا تھی۔؟ اس کی کچھ جھلکیاں پردوں سے چھن چھن کر دکھی گئیں تو کیسی قبیح اور گھناؤنی کہ کئی جگہ اپنی بستیوں آبادیوں املاک و باغات کو بچانے کی خاطر پانی کا رخ ہرے بھرے شہروں کی طرف پھیر کر انہیں غرق کر دیا گیا۔

راوی کے کنارے ابھڑے ہوئے انسانوں کی حالتِ زار دیکھتے ہوئے امراء اور اہلِ دولت کے طور طریقے ایسے تھے کہ پکنک منانے آئے ہوں۔ وہ لٹے پٹے انسانوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کے درپے رہے۔ ڈوبتے ہوئے شہروں اور اس کے مکینوں کے مال و متاع کو لوٹا گیا۔ خالی شہروں میں چوری کا بازار گرم ہو گیا اور یہاں تک کہ اس قوم کے بعض غیور و جسور فرزندوں نے طوفان میں گھری ہوئی بہنوں اور بیٹیوں کے اغوا، آبرو ریزی، عصمت دری اور پھر خوانی میں بھی کسر نہ اٹھائی۔ بعض کیمپوں میں محصور خواتین نے ایسی دست درازیوں کے خوف سے راتیں آنکھوں میں کاٹیں اور کچھ فلاں لوگوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیلاب کے نام پر چندے اور امداد کا جعلی دھندا شروع کیا۔ اور یہ بھی کہ بھری بستیاں ڈوب رہی تھیں۔ لیکن کئی جگہ مدد کیلئے چیخ و پکار پر کسی نے لبیک نہ کہی۔ سب کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ اور اس آسمان نے اپنی کھلی فضاؤں میں حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے انسانوں کے لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ ۱۴ اگست کی رات کو کئی رقص و سرود کی محفلیں بھی دیکھیں کہ یوم آزادی کی تقریبات کی منسوخی کے اعلان کے باوجود کئی اعلیٰ حکام نے ہوٹلوں میں رقص و سرود کی محفلوں کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ جمہور لاہور کی روایت کے مطابق لاہور سے باہر انسان طوفانِ نوح کی لپیٹ میں تھے اور ادھر ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں رقص و موسیقی اور شراب کا سیلاب آیا ہوا تھا —— ادھر قدرت کا پیمانہ صبر چھلک رہا تھا، ادھر قدرت کے باغی اور سرکش عالم بے عالم لذت اگر اپنے عالم کا برملا

سے اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اور یہ سب ایک "مسلم قوم" کی "اسلامی مملکت" کے "اسلامی آئین" کی خوشی میں ہو رہا تھا۔ شاعر نے ایسے ہی موقعہ پر کہا ہوگا ؎

طوفانِ نوح نے تو ڈبوئی زمیں فقط
میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

کیا یہ سب کچھ اس ارشادِ ربانی کی ہو بہو تصویر نہیں جس میں کہا گیا تھا کہ ولقد اخذنٰھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ہم نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ مگر نہ وہ پروردگار کے آگے جھکے نہ ہی عاجزی اختیار کی۔ کیا پاکستان کو سقوطِ بنگال کے واقعۂ ہائلہ اور قیامتِ کبریٰ کے بعد اتنی جلدی اتنی بڑی دوسری ہولناک نصیحت کی بھی ضرورت تھی، کیا ہماری غفلت موت سے بدتر ہو چکی ہے۔؟ آئیے اپنے حالات کا محاسبہ کریں اور اپنے طرزِ عمل سے ان سوالات کا جواب مہیا کریں۔ اگر جواب نہیں ملتا تو خدا کی ناطق اور زندۂ جاوید کتاب سے سنئے : اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃً او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون ۔۔۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر مرتبہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی نہ تو توبہ کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ضروری اعلان | اخبارات میں وزیرِ اعظم جناب بھٹو کے انتخاب پھر اس کے بعد جمعیۃ العلماء اسلام سے افواج اور جوابِ طلبی اور فریقین کے جوابی اور الزامی بیانات میں مولانا عبدالحق کا بھی ذکر آ رہا تھا جس سے مراد قومی اسمبلی میں بلوچستان کے رکن مولانا عبدالحق صاحب لورالائی تھے۔ اور واقف حال افراد پر یہ بات مخفی نہ تھی مگر بہت سے لوگوں کو مذکورہ خبر کی ہمنامی کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ (اکوڑہ خٹک) کے بارہ میں غلط فہمی ہو جاتی۔ حضرت کی مشہور و معروف دینی شخصیت اور پھر قومی اسمبلی میں اب تک اسلامی مساعی کی وجہ سے اور دوسری طرف بلوچستان کے ممبر موصوف کا اسمبلی میں کبھی ذکر نہ آنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہونا لازمی تھی۔ اس صورتحال کی وضاحت کیلئے اخبارات سے رجوع کیا گیا کچھ نے وضاحتی بیان شائع بھی کر دیا اور بعض متعلقات سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر سیاسی حلقوں کی طرف سے اس ابہام اور اجمال سے کام لیا جا رہا ہے۔ بہرحال ہم اپنے قارئین اور ان کے توسط سے دیگر واقفین حضرات سے اس صورتحال کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اکوڑہ خٹک کا اس سلسلہ کے تمام بیانات وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں وہ اسلامی آئین و نظامِ حیات کے بارہ میں اپنے مضبوط موقف پر جم کر اللہ اور رسول کی حکمرانی اور منکرات کے ازالہ کی مساعی میں بدستور مصروف ہیں۔

(سلطان محمود ناظم دفتر)

دعوات عبدیت حق

ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

اسلام جوڑتا ہے توڑتا نہیں

خطبہ جمعۃ المبارک جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا

محترم بھائیو! اسلام ایک ایسی نعمت ہے، جس نے انسانوں کے منتشر شیرازہ کو آپس میں جوڑا اور اس نعمت کی وجہ سے اسلام کے رشتہ کی بناء پر ایک دوسرے سے ٹوٹے ہوئے انسان آپس میں مل گئے۔ اسلام جوڑنے کے لئے اور ملانے کے لئے آیا تھا، توڑنے کے لئے باہمی اجتماع باہمی اتحاد اور ربط و تعلق باہمی کدورتوں اور نفرتوں کو محبت اور الفت سے بدلنا اسلام کی خاصیت ہے۔ اس لئے اسلام کی تمام عبادات میں بھی یہی اجتماعیت اور ربط و تعلق کی شان موجود ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ ہر عبادت میں غور کیجئے ہر جگہ انسانوں کا ایک دوسرے کی خبرگیری ہمدردی اور مواسات کا پہلو نمایاں ہوگا۔

سب سے اہم عبادت نماز ہے جسے اللہ رب العزت نے مقرر کیا اور اس میں جماعت کی بڑی تاکید کی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نوجوانوں کو بھیج کر جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرا دوں پھر نماز باجماعت کے وقت کسی کو نماز میں آگے کر کے خود مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں دیکھوں۔ اور جو شخص جماعت کو حاضر نہیں ہوا اس کے مکان کو جلا دوں ۔۔۔ تو اتنا سخت ارادہ تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بلا عذر جماعت میں حاضر نہ ہونے والے لوگوں کے مکان اس لئے نہ جلائے کہ گھروں میں بچے بھی ہیں عورتیں بھی ہیں۔ نابالغ بچے تو مکلف نہیں، عورتوں کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ تو ان کو بھی گھروں میں رہنے کا حق ہے۔ ۔۔۔ تو بچوں اور عورتوں کی خاطر انہیں جلایا نہیں۔

رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین نے اتنا بڑا ارادہ فرمایا جس سے جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت کا اندازہ

ہو جاتا ہے۔ اکیلے نماز پڑھیں تو ایک عمل کا اجر ہے اور جماعت سے پڑھنے پر اگر ایک نمازی مقتدی بھی
ہو تو ستائیس ۲۷ درجے ثواب دیا جائے گا۔ اور جتنی جماعت بڑھے گی تو اتنا ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔
خانہ کعبہ میں ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کا ہے۔ مسجد نبوی میں آپ نماز پڑھیں تو ایک نماز کا اجر پچاس ہزار
نمازوں کا ہوگا۔ اور پنڈی کی اس مسجد یا دوسری مسجدوں میں ایک نماز باجماعت کا اجر ۲۷ درجے ہوگا۔ اور اس
میں علماء نے بہت سی حکمتیں اور فوائد لکھے ہیں سیاسی، اقتصادی لحاظ سے قطع نظر کرکے بھی بیشمار مصلحتیں ہیں۔
دین ہمیں ملانا چاہتا ہے جوڑنا چاہتا ہے۔ شیطان ہمیں توڑتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے دین کو
چھوڑا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ تباہی لازمی ہے۔ باجماعت نماز میں سیاسی مقاصد کے علاوہ بہت
سے فوائد ہیں۔ اس میں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ دین کا شعار بلند ہوگا۔ ہر قوم ہر تحریک ہر حکومت اپنے شعائر
کو جو اس کے نشانیاں ہوتی ہیں۔ اس کو بلند رکھنا چاہتے ہیں، کہیں فوجوں کی نمائش ہے یا کہیں اسلحہ کی،
کہیں سلامی لی جاتی ہے اور تحریکوں والے بھی اپنے شعار کو اپنے جھنڈوں کو اپنے دفتروں کو بلند اور ظاہر کرنا
چاہتے ہیں۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ کر کہیں کہ یہاں فلاں جماعت کی تحریک چل رہی ہے۔ تو اللہ کے جو شعائر ہیں
ہیں ان میں نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اس میں اللہ کے سامنے ہم اپنی بندگی اپنی عاجزی اور اپنی
غلامی و عبدیت کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے اللہ جل مجدہ کی عظمت اور ہماری عبدیت ظاہر ہوگی گھر میں
چوروں کی طرح پڑھ لی تو کیا معلوم ہو کہ خدا کے غلام ہیں یا سرکش ہیں تو ہر حکومت اپنے شعائر کا بلند ہونا چاہتی ہے۔
تو خدا کی حکومت بھی چاہتی ہے کہ میرے غلام اور عبید میرے شعائر کو بلند کریں۔

منجملہ دیگر فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ سب کی نمازیں جماعت کی وجہ سے انشاء اللہ قبول ہو
جاتی ہیں اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ہمارے لئے ایک قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب آپ دکاندار سے یا کسی
بائع سے کوئی چیز خریدنا چاہیں تو بائع اچھی اور بری چیز دونوں کو ملا کر بیچتا ہے۔ مگر ایک ملاوٹ تو آجکل ہم
لوگ کرتے ہیں اس کا نام غش اور دھوکہ ہے غداری ہے۔ دودھ میں پانی ملایا۔ ہلدی میں ملتانی مٹی ملا دی چائے
میں بھوسہ ملا دیا۔ تو یہ تو مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے یہ لوگ تو قوم اور ملک کے غدار ہیں۔ اور یہ قطعاً حرام ہے۔
غلط چیز ہے۔ خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے حقوق العباد کا احساس نہیں رہا۔

دیکھئے ہمارے اکابر اور اسلاف میں مرد تو مرد عورتوں کا کیا طرز عمل تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ ہوا کرتا
تھا کہ رات کے وقت گھومتے شہر مدینہ میں بھی اور مضافات میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے حضرت امیر المومنین
کے نقش قدم پہ چلنے والے امیر اور حکام عطا فرمادے۔
ارشاد ہے کہ جب تمہارے امیر بہتر اور دیندار و متقی ہوں گے تو امت پھلے گی اور ترقی کرے گی۔

ہمارے اکابر نے ہمارے سامنے کیسی چیزیں چھوڑیں۔ امیر المومنین فاروق اعظم کا ذکر تھا۔ قیصر اور کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قبضے میں آئیں، غنیمت کا بہت بڑا ذخیرہ آیا، مسجد بھر گئی، لعل و جواہر سونے اور ــــــ سے۔ کہتے ہیں کہ کسریٰ کی سلطنت حضرت نوحؑ سے لیکر ایک ہی خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ دنیا کا سونا اور جواہرات کسریٰ کے خزانوں میں جمع ہوتا رہا۔ چونکہ ایک خاندان نسلاً بعد نسل رہا۔ بعض نے تو کہا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تیسری پشت سے یہ سلطنت قائم چلی آ رہی تھی۔ تو کسریٰ کی سلطنت کے مقابلہ میں آج کل کے روس اور امریکہ کی بھی کوئی پوزیشن نہیں۔ ہم نے ۱۹۱۷ء کی جنگ عظیم سمیت اب تک نہیں دیکھا کہ یہ جنگ میں کسی ایک قصبہ اور ایک مورچہ پر تین لاکھ مسلح فوج جمع کر سکی ہوں اور قیصر کی فوج نے ایک قصبہ یرموک کی لڑائی میں تین لاکھ فوج جمع کی اور ایک لاکھ سے اوپر فوجیوں کو پا بہ زنجیر باندھا تھا۔ کہ بھاگ نہ سکیں۔ تو جو حکومت گاؤں میں لڑنے کیلئے تین لاکھ فوج جمع کر سکے اس کی مجموعی طاقت کتنی ہوگی۔ لاکھوں مربع میل زمین ان کے قبضہ میں آئی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کروں کہ کسریٰ کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ومزقناهم کل ممزق۔ کا مصداق بن گئی۔ ایک حدیث رسول، ایک پرزہ، ایک خط مبارک حضور اقدسؐ کا جس پر گویا حدیث لکھی ہوئی تھی، اس کو پھاڑ دیا، اس کی توہین کی، نتیجہ یہی نکلنا تھا جو سامنے آیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے مبلغ ہیں۔ وما ارسلنٰك الا كافةً للناس بشيرا۔ ونذیرا۔ اور جس طرح سورج کی حالت ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد اور جب وہ نصف النہار پر ہو اس وقت کسی بجلی کی چراغ اور نہ کسی چاند اور ستارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح حضورؐ کے ہوتے ہوئے کوئی اور نبی اور ہادی نہیں آ سکتا۔ تو حضورؐ نے سارے عالم کو دعوت دی، امراء اور سلاطین کو بڑے بڑے سرداروں کو گرامی نامے بھیجے جس میں ان کو اسلام کی دعوت دی۔ کسریٰ کے نام بھی گرامی نامہ بھیجا گیا جس میں یہ حدیث مبارک ہے:

من محمد الرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی کسریٰ عظیم فارس اما بعد فادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم۔

یہ گرامی نامہ ہے حضرت محمد رسول اللہ کی طرف سے فارس اور ایران کے امیر کسریٰ کی طرف۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں اسلام کی طرف آؤ اس قانون کی طرف جو امن و سلامتی اور سلم کا قانون ہے۔

...

یعنی ہم کسی کی زمین کسی کی سلطنت چھیننا نہیں چاہتے ہماری دعوت یہ ہے کہ آؤ باہمی سلامتی کا قانون

اسلام مانیں۔ اگر تو اسے قبول کرے گا تو محفوظ رہے گا۔ ورنہ ملک کی جس قدر رعایا ہے بے دین ہو گئی تو سب کا وبال تمہارے اوپر ہوگا۔۔۔ اس نے گرامی نامہ پھاڑ دیا اور دنیا میں نظائر ہمارے سامنے ہیں کہ اسلام کے ساتھ جو ایسا سلوک کرتا ہے خدا اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ گیند کی طرح آپ اسے جتنا بھی زمین پر پھینکیں گے ماریں گے اسے ختم سمجھیں گے اتنا ہی یہ اچھلے گا۔ ابھرے گا۔۔۔ پہاڑ سے جو ٹکرائے گا اپنے سر کو توڑے گا۔ اسلام کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہے۔ تو کسریٰ بھی بڑا متکبر تھا، نام بھی اس کا پرویز تھا۔۔۔ اور اس نام کے بھی عجیب اثرات ہیں، جہاں یہ پرویز ہوگا حدیث کا منکر ہوگا۔ اگر ایسا نام کسی کا ہو تو بدل دو۔ عبداللہ وغیرہ رکھ دو پرویز نام نہ رکھا کرو۔۔۔ یہ شخص نوشیرواں جس کے بڑے قصے ہیں کا پوتا تھا۔ تو اس نے حکم دیا۔ یمن کے گورنر کو جو کسریٰ کے ماتحت تھا، کہ فوراً قاصد مدینہ بھیج کر حضورؐ کو گرفتار کر کے لے آؤ، نہ آئیں تو ان کا سر پیش کر دو اس نے دو افسر مدینہ بھیجے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کے دل میں تھا کہ کوئی مضبوط قلعہ ہوگا۔ بڑی فوج ہوگی۔ اور معلوم نہیں حضورِ اقدسؐ سے کس وقت ملاقات ہوگی۔ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ حضورؐ ایک بوریہ چٹائی پر تشریف فرما ہیں۔ چند صحابہ تھے کسی کی لنگی ہے چادر نہیں کسی کا صرف لبا کرتا ہے، کسی کی ٹوپی نہیں، چند فقراء تھے۔ جن کے بارہ میں اللہ کا ارشاد تھا: واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه۔ (حضورؐ کو فرمایا گیا کہ جو بڑے بڑے امراء اور سرمایہ دار آپ کی مجلس میں اس شرط پر آنا چاہتے ہیں کہ ان فقراء کو مجلس سے نکال دو۔ کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا عار ہے۔ ہماری رسوائی ہے کہ ان ننگے، بھوکوں، منگتوں کے ساتھ بیٹھیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا ان کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں، اپنے نفس کو ان فقراء کے ساتھ جمائے رکھ جو دن رات خالص میری رضا کی خاطر میری یاد میں مشغول ہیں یہ میری نگاہ میں ان امراء و رؤساء سے معزز ہیں اور وہ لوگ حقیر و ذلیل۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے بھی ایک دفعہ مہاجرین کے بارہ میں کہا تھا کہ لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل۔ یہ ہمارے ٹکڑے کھانے والے اب ہمارے مقابلہ پر اتر آئے ہیں۔؟ ابن ابی کو اس زمانہ میں اپنے علاقہ کا نواب کہیں یا ملک بظاہر اسلامی فوج میں شامل ہے مگر ہے منافق۔ تو کہا کہ مدینہ واپس ہو کر ان مہاجروں کو نکال دیں گے ان کا کھانا بند کر دیں گے۔ یہ پناہ گزیں ہم جیسے معزز لوگوں کا سامنا کرتے ہیں۔؟

شانِ صحابہؓ اور قرآن یہاں ایک بات اور سنئے کہ جہاں بھی صحابہ کرام کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے تو اللہ اسے بڑی تفصیل سے ذکر کرتا ہے جیسے کہ ایک محب کسی محبوب کا نام آجاتے

تو اس کا جی نہیں چاہتا کہ اسے چھوڑ دے، دیکھئے قرآن کریم میں ایک جگہ صحابہؓ کا ذکر کس انداز میں آیا ہے فرمایا محمد الرسول اللہ یہ تو حضورؐ کی شان بیان ہوئی آگے حضورؐ کے صحابہؓ کا ذکر شروع ہوا معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ـــ تا ـــ اجراً عظیما ـ تو ساری رکوع صحابہؓ کی تعریف میں پوری ہوگی ـ تو صحابہؓ کی توہین کو اللہ نہیں چاہتا اور رسول نہیں برداشت کرسکتا ـ اور کیسے برداشت ہوگا جنہوں نے اپنی جان اپنا مال اپنی عزت و آبرو اپنے خاندان سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کردیا ـ اور اس قربانی کی برکت سے تو آج ہم یہاں پنڈی میں بھی مسجد میں اللہ جل مجدہٗ کے سامنے سربسجود ہیں اگر صحابہؓ دین نہ سیکھتے اسے نہ پھیلاتے تو ہم یہاں پنڈی میں اس مسجد کی بجائے کہیں مندر کہیں دھرم شالوں میں بت کے سامنے بیٹھے ہوتے ـــ تو یہ ان کے مساعی کی برکت ہے ـــ اب عبداللہ بن ابی انہیں ذلیل کہہ رہا تھا ـ تو خداوندکریم نے کہا ـــ :

وللّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ـ اللہ و رسول کی عزت ہے اور عزت والے حضورؐ کے صحابہؓ ہیں ـ یہ منافق نہیں ـ فرمایا اپنے نفس کو ان فقراء اور بیکسوں کے ساتھ جمائے رکھو، دنیادار آتے ہیں تو بہتر نہیں آتے، تو ناراض مت ہو، غریبوں کو ان کی وجہ سے مت نکال، تو فرمایا اصل عزت والا اللہ ہے ـ آپ اردگرد کروڑوں چیزوں پر نظر کریں پانی، ہوا، یہ دری یہ پنکھا یہ لاوڈ سپیکر یہ سائبان، یہ زمین و آسمان یہ ہمارا وجود، یہ اربوں مخلوق یہ حشرات اور بہائم سب کو خدا نے موجود کیا، سب کو کھانا ملتا ہے ـ یہ کون دیتا ہے ـ ؟ سب کے سانس کے لئے ہوا کی ضرورت ہے تو وہ انہیں کون پہنچاتا ہے ـ ؟

آج ہم کسی کے پاس چند روپے دیکھیں تو اسے معزز سمجھنے لگتے ہیں ـ یہ چیز ہے کیا ـ ؟ خداوند مالک الملک تو سارے خزانوں کا مالک ہے ـ تو عزت بھی سب سے اوّل اللہ کی ہے، پھر عزت اور طاقت کا مالک رسول اور پیغمبر ہوتا ہے ـ ہم اسے کملی پہنے ہوئے زمین پر بوریہ نشین اور کمزور نہ سمجھیں ہمیں پیغمبر کی طاقت کا اندازہ نہیں ہوتا، اللہ نے اسے بڑی قوت دی ہوتی ہے ـ ایک حدیث میں ہے کہ ہر نبی کو اللہ نے امت کے بارہ میں ایک دعا کرنے کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اللہ اسے دنیا ہی میں قبول کردے گا ـ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ ان متکبرین اور جابرہ کو ختم کردے، ختم ہوئے یا نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ فرعون کو بہت سمجھایا اب تو اسے ٹھیک کردے تو فوج کے ساتھ بحیرۂ قلزم میں غرق کردیا، لاٹھی کی ایک ضرب سے سمندر نے راستے چھوڑ دئے ـ تو انبیاء کے زبان ہلانے کی دیر ہوتی ہے ـ ظالم لوگ مذاق کرتے ہیں اور نبی کو کمزور سمجھتے ہیں ـ مگر یہ ان کا صبر و تحمل اور شان عفو ہوتا ہے ورنہ اگر نبی چپکے سے کہہ دے کہ یا اللہ انہیں ختم کردے تو ختم ہونے میں کچھ بھی دیر نہ ہوگی ـ علمی لطیفہ کے طور پر عرض کروں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت عزرائیل

آئے۔ اور عزرائیلؑ کو تو آپ سب جانتے ہیں، سب کا مہمان بنے گا۔ تو انبیاء کی روح قبض کرنے کے بارہ میں خدا کا قانون یہ ہے کہ عزرائیل علیہ السلام کی بات انبیاء کے ساتھ ادب سے ہوتی ہے۔ آئے تو سلام کرے، اجازت چاہے، حاضری کے بعد عرض کرے کہ اللہ کی طرف سے آیا ہوں۔ آپ کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا میں رہنا چاہیں تو بسم اللہ میں حاضر ہوں۔ حضور اقدسؐ جب مرض وفات میں تھے تو حضرت عائشہ جو سرہانے بیٹھی تھیں فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے آنکھیں کھول کر فرمایا۔ اللھم الرفیق الاعلی۔ (اے اللہ میں سب سے بہتر ساتھی ہو تو سے ہی کی رفاقت چاہتا ہوں۔) میں فوراً سمجھ گئی کہ یہ وہی بات ہے کہ عزرائیل نے حضورؐ کو اختیار دیا کہ آپ قیامت تک زندہ رہنا چاہیں دنیا کی سلطنت بھی آپ کی ہوگی اور اگر آپ ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں تب بھی آپ کی مرضی تو حضورؐ نے فرمایا: اختار الرفیق الاعلی۔ دیکھئے اللہ اپنے بندہ کی شان بھی کبھی کبھی ظاہر کر دیتا ہے۔

حضرت عزرائیل کی بڑی طاقت ہے۔ دیکھئے حضرت جبرئیل نے لوط کی بستیوں کو جس کی آبادی لاکھوں تھی لواطت، ہم جنسی کی بیماری اس قوم میں پیدا ہوئی تو ایک انگلی سے پورے علاقے یا صوبے کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے پھر الٹا کر کے پھینک دیا۔ اسی طرح عزرائیل کی بھی بڑی طاقت ہے۔ سب کی روح قبض کرنے والا ہے ــــ وقت ہے نہیں میری باتیں ویسے بھی بے ربط ہوتی ہیں مگر بات سے بات نکلتی ہے۔ تو جس وقت اللہ نے چاہا کہ انسان کو پیدا کروں اس وقت اللہ نے چاہا کہ سارے کرۂ زمین کے اجزاء اس کے خمیر میں شامل ہو جائیں اور حکمت اس میں یہ تھی کہ اولاد آدم علیہ السلام کو زمین کے مختلف حصوں اور مختلف میں آباد ہونا تھا۔ اور ایک خطے سے دوسرے خطوں میں سفر کرنا تھا۔ اس لئے تمام شہروں اور خطوں کی آب و ہوا سے موافقت پیدا کرانی تھی، اس لئے حضرت آدمؑ کا جسم مبارک سارے روئے زمین کی حاصل شدہ مٹی سے بنایا گیا تو پہلے حضرت جبرئیل کو مامور کیا کہ جا کر زمین کے چہرے سے مٹی لے لینا ہم اپنے خلیفہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور انسان کی غالب عنصر مٹی سے ہے۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ــــ تو جبرئیل علیہ السلام زمین کے پاس آئے اور ساری زمین ان کے سامنے ایسی ہے کہ ہتھیلی میں کوئی پیسہ وغیرہ رکھیں جب ارادہ کر لیا کہ ساری زمین سے مٹی سمیت لوں تو زمین نے رو رو کر خدا کے نام کا واسطہ پیش کر کے کہا کہ مجھے معاف کر مجھ سے یہ مٹی نہ لے حضرت جبرئیل تو کے نام کے بڑے عاشق ہیں، ایک عاشق کے سامنے محبوب کا نام لو کہ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو تو مسلمان فوراً ڈھ جائے گا۔ ہمارے امام ابو حنیفہ جن کے مسلک پر نصف دنیا سے زائد مسلمانوں کی تعداد چل رہی ہے، فقہاء اور مجتہدوں کے امام

اور استاذ ہیں انہیں حکومت نے بہ جبر قاضی بنا دیا۔ سرکاری عہدہ نہیں لینا چاہتے تھے، مجبوراً لیا مگر پھر چھوڑ دیا۔ تو قضا کے بعد پہلا مقدمہ ان کے سامنے آیا ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا تھا دوسرے نے کہا مجھ پر ایک پیسہ بھی نہیں، امام نے مدعی سے گواہ طلب کئے کہا گواہ نہیں مدعی علیہ منکر تھا۔ اب شریعت کا قانون ایسی صورت میں منکر کو حلف دینے کا ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھا لے۔ وہ قسم کے لئے تیار ہوا۔ امامؒ نے کہا دیکھیں جلدی نہ کریں۔ خدا کا نام لینا اتنا معمولی نہ سمجھیں، ذرا سوچو، کہا میں نے سوچا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں امامؒ نے فرمایا معلوم نہیں خدا کا نام اگر سچائی سے لے تو پھر تو ٹھیک جھوٹ ہو تو کہیں سب پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔ تو فرمایا قسم مت کھاؤ مدعی سے کہا اپنا حق مجھ سے لے لو اور اسے چھوڑ دے دوسرے مقدمہ میں بھی ایسا کیا اور عدالت سے باہر نکل آئے۔ کہا کہ میرے پاس اتنی دولت نہیں کہ لوگوں میں بانٹتا پھروں تو یہ خدا کے نام کی عظمت کا احساس تھا۔ تو جبرئیل امین تو اللہ کی عظمت کا سب سے زیادہ احساس تھا۔ خدا کا واسطہ سن کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر میکائیلؑ کو بھیجا، اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا، اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی سلسلہ ہوا، وہ بھی واپس گئے یہ گویا وجوبی حکم نہ تھا۔ اختیاری حکم بھی تو ہوتا ہے۔

عزرائیل علیہ السلام آئے کہ تمام انسانوں کے لئے ایک ہیولیٰ تیار کرنا ہے۔ حضرت آدمؑ کا قالب بنانا ہے۔ زمین نے منت کی کہ مجھ سے نہ چھین، اس لئے کہ جب انسان بنے گا اور شریعت پر اگر اس نے عمل کیا خدا کی تابعداری کی جنت میں جائے گا۔ لیکن اگر مخالفت کی تو میرے اجزاء بھی جہنم میں چلے جائیں گے مجھ میں خدا کی ناراضگی مول لینے کی تاب نہیں اس لئے زمین کو پس و پیش رہا حضرت عزرائیل نے ہاتھ بڑھا کر مٹی لے لی اور فرمایا خدا کا حکم خدا کے نام سے پہلے ہے، خدا کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ میں تو خدا کا آرڈر مانوں گا۔ مٹی لے گیا۔ اور چونکہ مٹی کی یہ امانت لینے والا وہ ہے تو واپس سپرد کرنے والا بھی اسی کو مقرر کیا، اب روح تو اوپر چلی جاتی ہے، جسم کو زمین کے حوالے کرنا ہے۔

ــــ تو جس نے پہلے مٹی کے اجزاء لئے تھے اسی کے سپرد کیا کہ تم اب ارواح بھی قبض کرو۔ تو بڑی طاقت تھی کہ دو انگلیوں میں ساری زمین کا جوہر نچوڑا ــــ لیکن پیغمبروں کی طاقت تو اور بھی بڑی ہے۔ اللہ نے ان کی شان دکھانی تھی۔ تو جب عزرائیلؑ حضرت موسیٰ کے پاس آئے تو اتفاق کی بات ہے مخلوق ہے اور خدا کا منشا ہی ایسا تھا وہ سلام بھول گئے، سامنے بیٹھ گئے۔ استیذان اور اجتہاد دینے کا طریقہ بھی ترک ہوا، بیٹھتے ہی کہا آئیے آپ کی روح قبض کر دوں جیسے کوئی کہے

تجھے ختم کرتا ہوں۔ تو مومن کامل کہے گا کہ تو کون ہے ختم کرنے والا، وہ تو ایک اللہ کی ذات ہے۔
تو حضرت موسیٰ مراقبہ میں تھے عجیب دوران پر تکالیف گذرا ہے امت کے ہاتھوں سے۔ کسی
پریشانی میں ہوں گے۔ اللہ سے راز و نیاز ہو رہا ہوگا۔ عزرائیلؑ کی آواز سے مراقبہ سے چونک اٹھے
ذرا سا ہاتھ اٹھا کر عزرائیلؑ کو جھٹک دیا کہ تو کون ہے قبض کرنے والا تو اسکی ایک آنکھ باہر نکل آئی،
اور فرشتے انسان کی شکل میں بھی آتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دو دفعہ حضور اقدسؐ نے دیکھا
عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ یا دوسرے صحابہؓ کی شکل میں آتے رہتے۔

—— تو حضرت عزرائیل یہ نہیں کہ لڑتے جھگڑتے، سمجھے کہ جلال کی حالت ہے اور حضرت موسیٰؑ
کی جلالی شان تو عجیب تھی۔ فرعون بڑا مغرور اور بدمعاش تھا۔ سارے قرآن میں دیکھیں حضرت موسیٰؑ کے
ساتھیوں کو تو سولی پر چڑھا دیا، قتل کیا، بچوں کو قتل کرتا رہا، مگر حضرت موسیٰؑ کو پکڑنے کا آرڈر فوج یا پولیس کو
کبھی نہ دے سکا۔ یہ ہمت نہ ہو سکی۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس تھی ایک لاٹھی، سوتے تو اسے سرہانے رکھ دیتے
جاگتے تو ہاتھ میں بھی لاٹھی ایک بار جب اژدھا بن کر سارے محلات کو جبڑے میں لیا تو فرعون کا پاجامہ خراب
ہو گیا تو اسکی یہ ہمت نہ ہو سکی کہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا حکم دے تو ان کی خدائی ہمت اور جلال کا کرشمہ
تھا۔ حضرت عزرائیل بھی اللہ کے پاس واپس گئے اور ساری صورت اللہ کو عرض کیا، اللہ کی شان تھی اسکی آنکھ
تو درست کر دی۔ اور حضرت انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ عزرائیل علیہ السلام تھے کہ جو بچ گئے حضرت
موسیٰؑ جلال میں آئے تھے اور اس وقت وہ آسمانوں اور زمین کو بھی ٹکر مارتے تب بھی سب پاش پاش ہو
جاتے۔ تو اللہ نے عزرائیل علیہ السلام سے کہا آپ کا خیال تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ آنا نہیں چاہتے،
مگر ایسا نہیں، تو پھر جا سیدھے طریقے سے سلام کر استیذان کے بعد انہیں اختیار اور کہہ دے کہ
حضرت موسیٰؑ اپنا ہاتھ کسی بھیڑ بکری دنبہ کی پشت پر رکھ دیں جتنے ہزار بال ہاتھ کے نیچے آ گئے ہر بال
کے عوض ایک برس زندگی بڑھ جائے گی، موسیٰؑ نے سن کر پوچھا پھر کیا ہوگا، کہا پھر بھی خدا کے پاس جانا ہوگا
فرمایا: الآن ـــ ابھی بھی، میں تاخیر نہیں چاہتا۔ تو یہ تو پیغمبر کی طاقت کی شان ہے۔

مگر کسریٰ کی خر دماغی دیکھئے پولیس کو نبی کے بارہ میں آرڈر دیتا ہے پکڑ لو انہیں کچل دو جیسے آج
کل بھی ہمارے ہاں بڑے عجیب خر دماغ ہوتے ہیں۔ گورنر کے بھیجے ہوئے افسر گئے حضورؐ کو زمین پر
بیٹھے دیکھا نہ اسلحہ ہے نہ سامان نہ قلعہ مگر ہیبت اتنی طاری ہو گئی کہ ہوش سکتہ میں ہیں، رعب کی وجہ سے
بات نہیں کر سکتے حضورؐ نے جن کی مہمان نوازی عادت تھی مصافحہ کیا اور فرمایا کہ یہ یہاں ہیں انہیں آرام سے
بٹھا دو کھانے پینے کا بندوبست کر دو اور تم ان کو اگر ملنے کا کہا کہ اس طرح رعب بھی کم ہو جائے گا۔ دوسرے

دن صبح آنے کے بعد انہوں نے مدعا بیان کیا کہ ہم تو تنخواہ دار ملازم ہیں تابعدار ہیں۔ آرڈر کی تعمیل کرنا ہے۔ گرفتاری مرضی سے کرانا چاہیں تو فبہا ورنہ تلوار سے سر کاٹنے کا حکم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کس نے حکم دیا کہا خسرو پرویز نے، فرمایا وہ تو فلاں تاریخ کو یا بعض روایات میں ہے کہ رات ہی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اب کس کے آرڈر کی تعمیل کرنی ہے۔ تو اس ذلت سے اللہ نے اسے سزا دی۔

جو بھی حدیث رسول کی توہین کرتا ہے۔ اللہ اُسے ذلیل کر دیتا ہے۔ خسرو اپنی۔ خانگی ماں پر عاشق تھا چاہا کہ باپ کو بیچ سے ہٹا دوں باپ کا پیٹ چیر کر اسے قتل کر دیا۔ اللہ جب تباہی لاتا ہے، تو سب پر ——— باپ کو قتل کیا تو ڈر لگ گیا کہ کوئی بدلہ نہ لے لے۔ تو خاندان کے سارے مرد جو ملک کے اہم مناصب پر فائز تھے سب کو ایک، ایک کر کے قتل کر دیا۔ اب خود اس کی باری آئی باپ کو اندازہ تھا کہ بیٹا بدمعاش ہے۔ تو پہلے سے زہر کی گولیوں کو لپیٹ کر بوتل میں رکھوا دیا اور اپنے خاص صندوق میں بند کر دیا اور بوتل پر لیبل لگایا کہ باہ کے لئے بڑی قوت کی دوا ہے۔ بیٹے نے دیکھا تو سمجھا کہ شاید ان گولیوں کی وجہ سے باپ عیاشی کرتا تھا۔ سب کو قتل کر کے مطمئن تھا کہ مقابلہ کا تو کوئی رہا نہیں ——— داد عیش دینے سوچا چڑھی ہوئی زہر کی گولیاں کھالیں، کھاتے ہی سمجھ گیا کہ زہر کھا لیا۔ اب اس کے خاندان میں کوئی مرد تو رہا نہیں تھا۔ اس کے بعد اس کی بہن "بوران" تخت پر بٹھائی گئی، حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا جس حکومت کی سربراہ عورت ہو وہ حکومت کبھی کامیاب نہیں ہوگی ——— حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اللہ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق، عرب، یمن، مشرقی یورپ سب پر حکومت قائم ہوئی، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مالِ غنیمت آیا لوگوں نے مشورہ کیا کہ یہ خزانے کس طرح تقسیم ہوں۔ فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ حصہ حضورؐ کے خاندان کو دیا جائے، یعنی بنو ہاشم پھر امیر المومنین ابوبکر کے، جو رشتہ دار ہیں ان کو دوسرے نمبر پر۔ پھر حضرت عمرؓ کا جو خاندان ہے اس کو تیسرے نمبر پہ دینا چاہئیے یہ شوریٰ والوں کا فیصلہ تھا۔ کہ ساری برکت تو حضورؐ کی ہے کہ آج ہم تاج و تخت کسریٰ کے مالک ہیں۔ پھر حضرت صدیقؓ کی قربانیاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ کی امارت تو اس ترتیب سے حصے ہونے چاہئیں۔ یہ تجویز حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئی، فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب سے زیادہ حصہ حضورؐ کے قرابتداروں یعنی بنو ہاشم کو ملنا چاہئیے۔ پھر حضورؐ کے جد امجد ہیں عبد مناف۔ پھر مثلاً قصی، کی جو اولاد ہے۔ اس طریقے سے اوپر جاتے ہوئے اجداد کے خاندانوں کو ترجیح دی جائے، اوّل دوسرے تیسرے، غرض جو بھی کسی سے حضورؐ کا رشتہ ہے وہ محروم نہ رہ جائے۔ پھر ابوبکرؓ کا پھر عمرؓ کا خاندان ہو تو اپنا نمبر سب سے پیچھے کر دیا۔ بات طاوٹ کی شروع تھی، وقت بھی ختم ہو رہا ہے۔ تو حضرت عمرؓ گلی کوچوں میں پھر رہے

ہیں۔ ایک عورت بیٹی کو کہتی ہے کہ صبح ہونے کو ہے جلدی کرو دودھ میں پانی ملا دو۔ جیسے آج کل کی ملاوٹ ہے۔ بیٹی دین دار تھی، کہا ماں تجھے امیر المومنین کا اعلان معلوم نہیں کہ ملاوٹ سے منع کیا ہے۔ ماں نے کہا بیٹی تجھے اعلان سے کیا، اسے کوئی اطلاع تو نہیں ہوتی، ہم گھر بیٹھے ہیں، کس کو علم ہے۔ لڑکی نے کہا ماں تیری بات بھی مانی ہے۔ لیکن اللہ کا حکم بھی ملحوظ رکھنا ہے اور امیر المومنین تو نہیں ہیں مگر اللہ تو موجود ہے، میں اس میں پانی نہیں ڈالوں گی۔ حضرت عمرؓ راستے میں کھڑے تھے۔ باتیں سنیں، گھر گئے، جاکر اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور کہا دیکھئے ایک غریب خاندان کی لڑکی ہے ۔۔۔ ظاہر ہے جب دودھ بیچ کر گذارہ کرتے تھے تو غریب ہی ہوں گے۔ یہ بھی معلوم نہیں رنگ کیسا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں کسریٰ اور قیصر کی بعض صاحبزادیاں مسلمان ہوئیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی باندیاں بیویاں بنیں جہاں ایسی باندیاں صحابہؓ میں تقسیم ہو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ اپنے بیٹوں کے لئے شہزادیوں کا رشتہ مانگتے تو کون انکار کرتا۔ مگر حضرت امیر المومنین نے کہا کہ اس غریب لڑکی کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس اس سے شادی کرلو۔ بیٹے نے کہا سبحان اللہ خدا کا خوف ہے تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ حضرت عمرؓ تیار ہو گئے۔ تو ایک تو وہ ملاوٹ تھی اور ایک ملاوٹ وہ ہے کہ قصائی گوشت بیچتا ہے تو ہڈی بھی اس میں ہوتی ہے۔ یہ کھلی ملاوٹ ہے، خفیہ اور غلط نہیں گندم میں چنے اور جَو کے بھی کچھ دانے ہوتے ہیں۔ تو قصائی سے کہیں کہ گوشت تولوں گا۔ مگر ہڈی واپس کردوں گا وہ کہے گا یا تو سب لو یا سب لوٹا دو۔ ہڈی لیکر میں کیا کروں گا۔

الغرض قانون ایسا ہے کہ عیب والی چیز بھی لو گے۔ یہ چھپی ہوئی بات نہیں کھلی ہوئی بات ہے۔ اسی طرح نماز با جماعت میں جتنے لوگ شریک ہیں مجھ جیسے گناہ گار بھی ہیں، جن کی نماز اس قابل نہیں کہ قبول ہو اور نیک خدا کے مقرب بندے بھی ہوسکتے ہیں۔ اللہ خریدار ہے، ہم بیچنے والے ہیں۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ الآیۃ۔ اب محض اس کے فضل وکرم سے کہ اس ہاں تو قانون کا لزوم ہے نہیں مگر بڑا مہربان ہے اپنے اخذ کردہ سے ہمارے لئے بنائے گئے قانون کی خود بھی پابندی کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کرتا کہ زید بکر اچھے لوگوں کی نماز قبول کردے اور باقی ردّی کی ٹوکری میں ڈال دے اس کی رحمت سے یہ بعید ہے تو ایک کی وجہ سے سب نمازیں قبول کردے گا۔ کہ ہم نے جماعت میں اپنی نماز کو اس کے ساتھ وابستہ کرلیا۔ اس بناء پر ہم جیسے ردّی لوگوں کی نماز بھی قبول ہوگی، ایک تو دین کا نشان بلند ہوگا۔ لوگ دیکھیں گے کہ یہ اللہ کے غلام ہیں اور دین میں یہ بھی ایک عبادت ہے اس کے علاوہ اگر انفرادی نماز لائق قبولیت نہ تھی اوروں کی برکت

سے قبولیت بھی ہو گئی ۔۔۔ پھر یہ کہ ایک لالٹین ہو تو روشنی دھیمی ہوتی ہے ۔ دس بیس جمع کر دو روشنی بڑھتی رہے گی ۔ ایک دوسرے کا اثر قبول کرے گی ۔ ایک شخص کے ایمان اور نماز کی روشنی ایک واٹ ہے ۔ دوسرے کی دس واٹ تیسرے کی سو واٹ یہ تمام نورانیت قلوب جمع ہو کر اربوں واٹ تک روشنی پہنچ جائے گی ۔ اور اس کے علاوہ نماز باجماعت میں صبر و تحمل کا بھی اجر ہے ۔ گھنٹہ پہلے آئے اوروں کے انتظار میں بیٹھے ہیں یہ صبر کا مادہ ہے ، اور ایک دوسری مصلحت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے حالات سے بھی واقفیت ہو گی ۔ عبرت اور سبق ہو گا ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کریں گے محلّے کے لوگ دن میں پانچ مرتبہ ایک دوسرے سے ملیں گے ۔ شہر اور آس پاس کے دیہات کے مسلمان ہفتہ میں ایک بار نماز جمعہ کی شکل میں جمع ہوں گے اور یہ سب برکات اور بھی وسیع پیمانے پر حاصل کریں گے آگے چل کر حج کا موسم آئیگا ۔ تو ساری دنیا اور سارے عالم اسلام کے مسلمان بیت اللہ کے آس پاس مل بیٹھیں گے ۔ جمع ہو کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں گے ۔ ایک دوسرے سے ربط و تعلق بڑھے گا ۔ حالات کی خبر گیری ہو گی تو ہر عبادت میں یہی اتحاد ۔ یگانگت باہمی ربط و تعلق کی شان موجود ہے ۔ اور یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا جسے میں نے ابتداء میں تلاوت کیا تھا ۔ مگر افسوس کہ وقت نہیں رہا ۔

مختصراً عرض کروں گا کہ آج مسلمان اختلاف کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں ۔ بڑا سبب باہمی نااتفاقی ہے جو ملک میں بھی ہے گھر میں بھی باپ بیٹے میاں بیوی کے درمیان بھی ہے ، بھائی بھائی کا دشمن ہے ۔ یہ چیز جس قوم میں آجائے سمجھئے کہ اب یہ جہنم اور تباہی کے کنارے پہنچ چکی ہے ۔ خداوند کریم نے اس آیت میں اسلام کی یہ نعمت ذکر کر دی کہ اے انصار و مہاجرین یاد کرے جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اسلام کی برکت سے ایک ہو گئے ، اللہ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا ۔ ایک دوسرے کی عزت کرنے والے ایک دوسرے پر مال و جان قربان کرنے والے بن گئے ۔ جاہلیت کی باتیں کہ میرا خاندان میری قوم میرا منصب میرا ملک سب چھوڑ بیٹھے ۔ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ تم سب آدم کی اولاد ہو کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں خاندانی جغرافیائی عصبیت کو ختم فرما دیا اللہ کی نعمت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں ملا دیا ۔ آگے فرمایا : وکنتم علی شفا حفرۃ من النار ۔ اس وجہ سے تم تباہی اور ہلاکت کے دھانے پر کھڑے تھے ۔ فانقذکم منھا ۔ خدا نے تمہیں ان چیزوں سے نجات دی اور ہلاکت کے گڑھے سے بچا لیا تو اسلام کہتا ہے کہ مخالفت کی کوئی بات اپنے اندر نہ پیدا کرو ۔ حکم ہے کہ ایک مسلمان دوسرے سے مذاق نہ کرے ۔ لا یسخر قوم من قوم ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت نہ کرے ۔ ایک شخص کی بہت سی نیکیاں ہوں گی ۔ حکم ملے گا کہ جہنم میں جاؤ ، وہ حیران ہو کر پوچھے گا تو ارشاد ہو گا کہ یہ صحیح ہے کہ تم نے بڑی

باقی صفحہ ۹۵ پر

مرزا غلام احمد قادیانی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے

قادیانیت کے بارہ میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ

کی

آخری وصیّت

— علماء اور دیگر مسلمان اٹھ کر غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیں —

— قادیانی یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں سے بڑھ کر اسلام کے دشمن ہیں —

علامہ سید محمد انورشاہ کشمیری قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کو مرزائیت سے اس قدر نفرت تھی اور وہ اس فتنہ کو امت محمدیہ کے لئے اس حد تک خطرناک سمجھتے تھے کہ اپنی وفات سے صرف چند دن پہلے جبکہ مرض کا سخت دورہ پڑا ہوا تھا آج سے بیالیس سال قبل پالکی میں سوار ہوکر جامع مسجد دیوبند میں تشریف لائے اور قوم کو اپنی آخری وصیت سنائی جو درج ذیل ہے۔ آج جب کہ یہ فتنہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک چیلنج ہے، ہم علماء اور دیگر مسلمانوں کو ان کا احساس فرض تازہ کرانے کے لئے مرحوم کا یہ نادر الوداعی خطبہ پیش کر رہے ہیں —— ——سمیع الحق——

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محمد انورشاہ کشمیری عفا اللہ عنہ، بحیثیت ایمان و اسلام و اخوت دینی اور امتِ مرحومہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء ہونے کے لحاظ سے کافۂ اہل اسلام خواص و عوام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگرچہ فتنے اور طرح طرح کے حوادث اور واردات اس دینِ سماوی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ آخری پیغام خدائے برحق کا یہ ہے کہ:

الیوم اکملت لکم دینکم و	آج کے دن میں نے دین تمہارا کمال کو پہنچایا اور
اتممت علیکم نعمتی ورضیت	اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام پر ہی

لکم الاسلام دینا۔ تمہارا دین ہونے کے لیے راضی ہوا۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیما۔

نہیں محمد کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے لیکن ہیں رسول خدا کے اور خاتمہ پیغمبروں کے اور خدا ہر چیز کا اپنے امور میں سے عالم ہے۔

اور اس کے قطعی الدلالۃ ہونے پر بھی امت محمدیہ کا اجماع منعقد ہوگیا۔ اور ختم نبوت کا عقیدہ دین محمدی کا اساسی اصول قرار پایا جس امت نے ہم تک یہ آیت پہنچائی اس نے یہ مراد بھی پہنچائی اور اسی دعویٰ پر مسلیمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیا۔ اور بڑا کفر دونوں کا یہ دعوی قرار دے کر کذاب مشتہر کیا۔ اور باقی جرائم کو کذب کے ماتحت رکھا مگر پھر بھی بحکم حدیث نبوی بہت سے دجالوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کی حکومتیں بھی رہیں اور بالآخر واصل بجہنم ہوتے۔ ہمارے اس منحوس زمانہ میں جو یورپ کی افتاد سے ایمان اور خصائل ایمان کی فنا کا زمانہ ہے۔ منشی غلام احمد قادیانی کا فتنہ درپیش ہے۔ اور گذشتہ فتنوں سے مزید اور شدید ہے اور حکومت وقت بھی بمقابلہ مسلمانوں کے قادیانی جماعت کی امداد و اعانت کر رہی ہے۔ یہ جماعت بہ نسبت یہود و نصاریٰ اور ہنود کے اہل اسلام کے ساتھ زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ کوئی چیز ان کے اور اہل اسلام کے درمیان مشترک اور اتحادی باقی نہیں رہی۔ منشی غلام احمد قادیانی جو اس زمانہ کا دجال اکبر ہے۔ بیس جزو وحی قرآن مجید پر اضافہ کرتے ہیں۔ کوئی ان کی اس بیس جزو وحی کا انکار کرے اور ان کو نبی نہ مانے وہ ان کے نزدیک کافر ہے۔ اور اولاد زنا ہے اور کوئی اسلامی تعلق مثل جنازہ کی نماز اور نکاح کے اس کے ساتھ جائز نہیں، پھر قرآن مجید کی تفسیر اس نے کل اپنے قبضہ میں رکھی ہے۔ دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں لگتا۔ جیسے فارسی مثل ہے۔ ع

خوردن ز من لقمہ شمردن از تو

اس تفسیر کے مطابق خواہ کل امت کے مخالف ہو سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر اسلام کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہے۔ اور بحسب تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوتی ہے۔ اور بمقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے کہ بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہ ہوگی۔ صریح ادعاء شریعت کیا ہے۔ اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج قادیان کا ہوا کریگا۔ نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہوگیا۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوتے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔

جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں ۔

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم

آنچہ حق داد ہر نبی را جام داد آں جام مرا بہ تمام

نیز اپنی مسیحیت کی تولید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہ جن پہ ایمان جزء دین محمدی ہے ایسی توہین کی ہے کہ جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے۔ اور اس کے نزدیک تحقیقی توہین ہے۔ الزامی یا بقول نصارٰی تو درکنار۔ رہی توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیقی کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے۔ کہ نقل نصارٰی کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔ بہ گفتہ آید در حدیث دیگراں یہ معاملہ بیشتر امی پیغمبر برحق کے ساتھ کیا ہے۔ تاکہ عظمت ان کے لوگوں کے دلوں سے اتار دے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ اس واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں بلکہ توقیر کی ہے۔ اور ایسے ہی بزرگانِ اسلام امام حسین وغیرہم کی تحقیر اور تعلّی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوٰۃ اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔ علمائے اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں۔ مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں۔ اس وقت کہ ایک لطیفہ غیب نمودار اور نمایاں ہوا ہے کہ مجاہد ملت جناب سامی القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دام ظلۂ اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جسکی وجہ سے اس وقت جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولوی عبدالحنان صاحب اور جناب مولوی لال حسین صاحب اختر اور محمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیّت اور حمایتِ اسلام سے کام لینا چاہئے۔ اہل خطۂ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطّہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو۔

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر می کنند پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

اور جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے بلکہ ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری قادیانی میں تحویل ہونا ہے اور جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے لے اور اس شدید وقت میں کہ دشمن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے۔ کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔ جن حضرات نے اس احقر ہیچمیرز سے حدیث شریف کے حروف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے۔ وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کر جائیں اور کلمۂ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان

اور کفر کا فرق ہی معلوم نہیں اور نہ کوئی حقیقت محصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامنگیر ہے ورنہ اسلام کوئی نسبی اور نسلی لقب نہیں ہے جیسے یہود اور ہنود کہ زائل نہ ہوا اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قومی نسبی لقب یا ملکی وشہری نسبت کی طرح لاینفک ہی رہے۔ بلکہ عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعیہ اور متواترات متوارثہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر والحاد ہے۔ زندقہ والحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گڑبڑ کر دے اور یہ کھلے کفر سے بدتر ہے۔ یہی اس دجال کی تعلیم کا حاصل ہے جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے۔ وہ کافر ہے خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا ہو۔ ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر۔ اسی میں وارد ہوا ہے۔ حق تعالیٰ صحیح علم اور صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین (۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ)

(الحق رجب شعبان ۱۳۹۳)

بقیہ، صفحہ ۹۳

(ت) چونکہ اپنے عقیدے کا پرچار کرنے کے حق کو آئین کے تحت تحفظ دیا گیا ہے۔ اس لئے حکومت مذہبی تبلیغ میں اس وقت تک دخل اندازی نہیں کرتی جب تک کہ یہ سرزمین کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔

سوال: ۵۵۱ ، ۲ر جولائی ۱۹۷۳ء۔ کیا وزیر اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ شعبہ اقلیتی امور نے اسلام آباد میں حال ہی میں منعقدہ اقلیتوں کی کانفرنس میں ۲۰ لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔؟

(ب) اگر (الف) بالا کا جواب اثبات میں ہے تو اقلیتوں کی کانفرنس میں اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کی وجوہات کیا ہیں۔؟

جواب:- وزیر اقلیتی امور وسیاست ــــ (الف) جی نہیں۔

(ب) سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اقلیتوں کی کانفرنس، تمام اقلیتوں کے لیڈروں کے مسلسل مطالبہ کے پیش نظر منعقد کی گئی تھی۔ نیز حکومت اور بالخصوص صدر مملکت اقلیتی نمائندوں سے ملاقات کرنے کے خود خواہشمند تھے۔ تاکہ ان کے مسائل ومشکلات پر بحث کی جاسکے اور انہیں یہ یقین دلایا جاسکے۔ کہ حکومت ان کی بہبود کی خواہشمند ہے۔ یہ کانفرنس اقلیتوں کے لئے بہت ہی دلجمعی کا باعث ہوئی۔ اور پاکستان میں ان کا اعتماد قوی تر ہو گیا ہے۔ ■■

مرزائی تبلیغ کے نام پر

سیاسی
اور
جاسوسی

سرگرمیاں

قادیانی فرقہ مسلمانوں اور عالم اسلام کے خلاف تبلیغ کے نام پر جن صیہونی اور سامراجی سیاسی مشاغل اور جن ننگ دین و اخلاق کارناموں میں مصروف رہا، اس کی کچھ جھلکیاں ربوہ ہی کے شائع کردہ تاریخ احمدیت سے دی جارہی ہیں۔ تاکہ قادیانیوں کو یہ موقع نہ ملے کہ باتیں محض الزام و افتراء ہیں۔ (ادارہ)

۱۹۳۰ء میں قادیانیوں نے برطانوی آقاؤں کے اشارے پر کشمیر کو قادیانی سٹیٹ بنانے کی مذموم سازش کی جسے مجلس احرار اسلام اور دوسری سیاسی تنظیموں نے ناکام بنادیا۔ مجلس احرار نے قادیانیت کا سختی سے محاسبہ شروع کیا اور اس عظیم فتنہ سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ، ڈاکٹر اقبال اور احراری زعماء کی مشترکہ کوششوں سے قادیانیت اصل روپ میں سامنے آگئی۔ رہی سہی کسر جی۔ ڈی کھوسلہ کے فیصلہ نے نکال دی۔

• ۱۹۳۴ء میں مرزا محمود خلیفہ قادیان نے برطانوی سامراج کے بین الاقوامی استعماری مقاصد کی تکمیل اور صیہونی یہودیوں کی بلاواسطہ پشت پناہی کے لئے ایک تحریک کی بنیاد رکھی جسے تحریک جدید کا نام دیا گیا۔ جس طرح آپ کے والد مرزا غلام احمد نے برطانوی اور صیہونی تخریب پسندوں کی سیاسی اعانت کے لئے خدا پر افترا باندھے اور استعماری طاقتوں کی ذلیل خوشامد کے لئے الہامات کو بطور ہتھیار استعمال کیا ایسے قادیان کے سیاسی شاعر مرزا محمود نے تحریک جدید کو خدا کی طرف سے استاد شدہ تحریک قرار دیا۔[1]

---

[1] تاریخ احمدیت جلد ۸، دارالمصنفین ربوہ صفحہ

جماعت سے انیس[۱۹] مطالبے کئے گئے، چندے بٹورنے کی ذیلی سکیمیں جاری کی گئیں اور سیاسی تحریکوں کے لئے خلیفہ کے پاس بہت بڑی رقم رکھی جانی ضروری قرار دی گئی۔ خلیفہ صاحب جماعت سے گیارھواں مطالبہ یہ کرتے ہیں:

"جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک ہنگامی کاموں کے لئے بہت بڑی رقم خلیفہ کے ماتحت نہ ہو کبھی ایسے کام جو سلسلہ کی وسعت اور عظمت کو قائم کریں، نہیں ہو سکتے"۔[۲]

بیرون ہند قادیانی جماعتوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ ان جماعتوں میں سے سب سے زیادہ دلچسپی فلسطین کی جماعت نے لی۔ تاریخ احمدیت کے مطابق جماعت حیفہ اور مدرسہ احمدیہ کبابیر (اسرائیل) نے قربانی اور اخلاص کا نمونہ پیش کیا اور مرزا محمود نے اس کی تعریف کی[۳] ہندوستان کی قادیانی جماعتوں اور بیرون ہند سے نامعلوم ذرائع سے رقمیں بٹورنے کے بعد مرزا محمود نے نام نہاد مبلّغوں کو تبلیغ کے لئے تیار کیا۔ اس مقام پر یہ پس منظر ذہن میں رہے کہ تبلیغ کے نام پر سیاسی کارروائیوں اور جاسوسی کا سلسلہ مرزا غلام احمد قادیانی کے زمانے سے جاری تھا۔ مرزا صاحب نے عرب ممالک میں اپنے جاسوس روانہ کئے جو سامراجی طاقتوں کے لئے کام کرتے تھے۔ برطانوی محکمہ جاسوسی کے کئی افراد قادیان میں ذہنی تربیت حاصل کر کے تبلیغ کے نام پر ان ممالک میں جاتے جہاں برطانیہ قدم جمانے کے لئے تگ و دو میں مصروف ہوتا۔ بیرون ہند سے انگریز کے سیاسی گماشتے قادیان آتے اور حضرت مسیح موعود کے سیاسی آقاؤں کی خدمت کے لئے عرب ممالک میں جاکر جاسوسی کرتے۔ مرزا صاحب نے کابل سے مولوی عبداللطیف اور عبدالرحمٰن جیسے سامراجی ایجنٹوں کو بلوا کر انہیں افغانستان میں قادیان کی خود ساختہ نبوت کی آڑ میں انگریز کی سیاسی خدمت کے لئے روانہ کیا جہاں اس مرتد کو واصل جہنم کیا گیا۔ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد اس سیاسی پالیسی کو حکیم نورالدین نے اپنایا۔ حکیم صاحب کو مہاراجہ کشمیر نے برطانوی سامراج کے لئے جاسوسی کے الزامات کے تحت سٹیٹ سے نکال دیا تھا۔ اس کے بعد آپ سامراج کے بین الاقوامی تخریبی مرکز قادیان میں آبسے تھے۔ آپ کے زمانے میں غلام نبی، عبدالرحمٰن اور مرزا محمود بیرون ملک گئے۔ مرزا محمود نے مکہ میں متنبّی قادیان کی نبوت اور انگریز کی حمایت میں تحریک شروع کی جس پر آپ کے مکان پر چھاپا پڑا۔ لیکن آپ پہلے ہی فرار ہو چکے تھے ۱۹۱۴ء میں قادیانیت کے سیاسی ڈرامے کے دیگر ایکٹروں کو قادیان سے نکالنے کے بعد جب آپ نے آمریت کا تخت سنبھالا تو سب سے پہلے عرب ممالک کو سامراج کی پروردہ نبوت کا پیغام دیا۔ ترکی خلافت کے

---

[۲] ایضاً ص ۱۹ [۳] ایضاً ص ۲۰

خاتمے کے لئے قادیانی تخریب کاروں کو بیرون ہند روانہ کیا۔ اور یہودی صیہونیوں سے گٹھ جوڑ کر کے مشرق وسطیٰ میں تبلیغی مراکز ارتداد قائم کئے۔ مسلم ممالک کی پستی و زبوں حالی اور ان کے سقوط پر خوشیاں منائیں۔ اور اسے تبلیغ کے لئے نئی راہیں کھلنے کے مترادف قرار دیا۔ انقلاب روس کے بعد یہ قادیانی جاسوس ہی تھے جو مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیاء میں انقلابی تنظیموں کی جاسوسی میں مصروف رہے اور جب کبھی یہ حکومتیں ان کو قید خانے میں ڈال دیتیں تو انگریز سفیروں کی معرفت ان کی رہائی کرائی جاتی۔

تحریک جدید کے تحت مرزا محمود نے سنگاپور، چین، جاپان، اٹلی، البانیہ وغیرہ میں مبلغین کو روانہ کیا۔ ایک قادیانی ولی داد کو کابل بھیجا، اسے ایک طبیب کے روپ میں بھیجا گیا۔ لیکن جب اس نے سامراج کی اطاعت اور خانہ ساز نبوت کی دعوت کا آغاز کیا تو اس کے عزیزوں نے اسے داخل جہنم کر دیا۔ ایک اور قادیانی عدالت خان بلا پاسپورٹ افغانستان گیا جہاں گرفتار ہوا اور وہاں سے نکالا گیا اس کے بعد اسے چین روانہ کر دیا گیا۔ (ایضاً ص۱۰۸)

جاپان میں ایک قادیانی مبلغ صوفی عبدالقدیر نیاز کو روانہ کیا گیا جسے جاسوسی کے الزام میں حکومت جاپان نے قید کر دیا۔ مرزا محمود اپنے خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ۱۸ر نومبر ۱۹۳۷ء میں تسلیم کرتے ہیں کہ ان پر جاپانی گورنمنٹ کی مخالفت کا الزام لگا۔ جنگ عظیم دوم کے زمانے میں نیا مشن نہ کھولا جا سکا۔ البتہ پہلے مشنوں سے پورا پورا کام لیا گیا۔ جنگ کے خاتمہ پر ۱۹۴۵ء میں سولہ قادیانیوں کو انگلستان بھجوایا گیا۔ جنہوں نے بقول مؤلف تاریخ احمدیت لندن میں کچھ عرصہ ٹریننگ کے بعد یورپ کے اطراف و جوانب میں نئے مشن کھولے۔ (ایضاً ص۱۱۱)

دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور سوبھاش چیندر بوس انڈین نیشنل آرمی ترتیب دینے لگے۔ ان ایام میں سنگاپور مشن کے انچارج مولوی ایاز قادیانی نے برطانوی سامراج کی حمایت اور جاپانیوں کی مخالفت میں سرگرم حصہ لیا۔ مؤلف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:

"یہ ایام سنگاپور مشن اور مولوی ایاز صاحب کے لئے انتہائی صبر آزما تھے۔ خصوصاً جاپانیوں کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کی وجہ سے آپ پر بہت سختیاں کی گئیں اور خرابی صحت کے باعث سر اور ڈاڑھی کے بال قریباً سفید ہو گئے۔" (ایضاً ص۲۰۵)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو جاپانی حکومت کی مخالفت کی کیا ضرورت تھی آپ کو قادیان کی خانہ ساز نبوت کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا یہ درمیان میں سیاسی کارروائی کیوں آئی اس پر اکتفاء نہیں بلکہ قادیانی مؤلف محمد یونس قادیانی کی عینی شہادت نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"جاپانیوں کے زمانہ میں جبکہ کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ جاپانیوں کے خلاف اپنے گھر میں بھی کسی

قسم کی بات کرے۔ ایسے خطرناک وقت میں مولوی صاحب آئی۔ این۔ اے (آزاد ہند فوج) کے کیمپ میں جا کر جاپانیوں کے خلاف کاروائیاں کرتے .... اور ہر وقت جاپان ملٹری پولیس اور ..... (سی۔ آئی۔ ڈی) مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی۔" (ایضاً ص۱۰۹)

مولوی صاحب نے بعد میں ہندوستانی فوج کے قادیانیوں کے ذریعہ آزاد ہند فوج کے خلاف سازشیں کیں اور انگریز کی سیاسی خدمت انجام دی۔

جن علاقوں میں برطانوی سامراج کا غلبہ تھا وہاں قادیانی مبلغ جارحانہ طور پر مرزائیت کی تبلیغ کرتے اور انگریز ان کی پوری پوری مدد کرتا۔ ۱۹۳۵ء میں اٹلی اور حبشہ کی جنگ کے ایام ہی مرزا محمود نے ڈاکٹر نذیر احمد کو حبشہ روانہ کیا کچھ عرصہ حبشہ اور پھر فلسطین مصر وغیرہ میں رہنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں آپ واپس آئے اور ۱۹۴۶ء میں مرزا محمود کے حکم سے عدن پہنچے۔ عدن میں ایک دن ڈاکٹر نذیر احمد کو مسلمانوں نے ایک مسجد میں گھیر لیا۔ اور واصل بجہنم کرنے لگے۔ لیکن تاریخ احمدیت کا مؤلف لکھتا ہے کہ:

"اسی اثنا میں سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی میرے (ڈاکٹر نذیر) کے پاس آکھڑا ہو گیا اور انگریزی میں کہنے لگا ہم کو حکم ہوا ہے کہ آپ کو اپنے گھر سلامتی کے ساتھ پہرے کے اندر پہنچا دیں۔ کیونکہ پبلک مسجد کے اندر اور باہر ڈنڈے اور چاقو لے کر کھڑی ہے۔ ان کی نیت آج آپ کے متعلق خطرناک ہے۔ میں نے کہا کہ گورنمنٹ کی حکم عدولی میں نہیں کر سکتا بہت اچھا۔" (ایضاً ص۳۶۴)

برطانوی حکومت قادیانی مبلغوں کو جو جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے کمربستہ رہتے ہر طرح کی مدد بہم پہنچاتی بلکہ برطانوی سفارت خانہ قادیانیوں کے لئے ہر ممکن کاروائی کرتا اور اس کے زیر سایہ قادیانی مبلغ دلیری سے اپنی مذموم کوششوں میں مصروف رہتے۔ ۱۹۳۶ء میں جب ملک محمد شریف قادیانی کو سپین بھیجا گیا تو وہاں سخت جنگ جاری تھی۔ مؤلف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:

"جب حالات خطرناک صورت اختیار کر گئے تو برطانوی سفیر نے آپ (ملک شریف) ــ کو سفارت خانہ میں بلوایا اور دو دن گذارنے کے بعد دوسری برٹش رعایا کے ساتھ آپ بھی حکماً میڈرڈ سے لندن بھیج دئے گئے۔" (ایضاً ص۲۹۶)

اب ایک اور سامراجی ایجنٹ مولوی محمد دین مبلغ البانیہ کی کاروائیاں ملاحظہ کریں۔ ۱۹۳۶ء میں یہ شخص البانیہ پہنچا اور جہاد کی مخالفت میں لیکچر دینے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ برطانوی آقاؤں کی مدح سرائی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے پولیس میں رپورٹ کرا دی جس پر پولیس نے آپ سے گفتگو کے بعد آپ کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کر دی اور چند دنوں کے بعد البانیہ سے انہیں یوگوسلاویہ دھکیل دیا۔ جولائی

مولوی صاحب نے مرزا محمود کو خط لکھا اور مرکز سے ہدایت ملی کہ یوگوسلاویہ اور البانیہ کے درمیانی علاقے میں ارتداد کی تبلیغ کرو۔ اس علاقے میں مولوی صاحب نے میونسپل کمیٹی کے ایک ممبر شریف دتسا سے راہ و رسم پیدا کر لی۔ مؤلف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:

"حالات نے یوں یکدم پلٹا کھایا کہ البانیہ کی پولیس کے کاغذ بگراڈ پولیس کے پاس پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اس وقت مرکز سے باہر تھے پولیس کو شبہ کی تقویت کی گنجائش نکل آئی اور انہوں نے بار بار چکر لگانے شروع کئے اور جب مولوی صاحب کو یوگوسلاویہ کی پولیس نے ملک سے ۲۴ گھنٹے کے اندر نکلنے کا نوٹس دیا تو دوستوں کو بہت افسوس ہوا شریف دتسا صاحب اور ان کا بھائی اس سیاسی معاملہ میں کچھ مدد نہ کر سکے"۔ (ایضاً صـ۳۱۲)

مشرقی یورپ سے نکلنے کے بعد اس قادیانی ایجنٹ نے مکہ مکرمہ میں ایک معمولی مکان کرایہ پر لیا اور منافقانہ انداز میں اپنے ارتداد کو چھپا کر شاہ سعود تک رسائی حاصل کی اور ان کا ہندوستانی ترجمان مقرر ہوا۔ اس عرصے میں اس تخریب پسند برطانوی جاسوس نے سیاسی سازشیں جاری رکھیں ۔۔۔۔ مؤلف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:

"حج کے بعد مولوی صاحب نے اپنے واقفوں شناساؤں اور ملنے والوں سے گفتگو شروع کی وعظ و نصیحت ہوتی رہی، ایک روز کسی نے پولیس کو اطلاع دیدی کہ ہندی اور عرب لوگ اکثر اس ہندی مولوی کے پاس آتے ہیں، یہ انگریزوں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے پھر کیا تھا، پولیس نے فوراً مولوی صاحب کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا ۔۔۔۔۔ ایک ہفتہ کے بعد ہندوستانی وائس قونصل سید لال شاہ صاحب مقیم جدہ کی طرف سے کوشش پر رہائی حاصل ہوئی، اور مولوی صاحب واپس قادیان تشریف لائے"۔ (ایضاً صـ۳۱۳)

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے قادیانی مبلغوں کی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں کا جس کو بڑے فخر سے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات اصل داستان کا عشر عشیر بھی نہیں۔ بہت سے واقعات ابھی منظر عام پر نہیں آئے۔ ہم نے یہ واقعات بلا کم و کاست تاریخ احمدیت مؤلفہ دوست محمد شاہد سے نقل کئے ہیں تاکہ قادیانیوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ بات محض الزام ہے۔

قادیانیوں کی طرح لاہوری مرزائی بھی اسی قسم کی سازشی کاروائیاں کرتے رہے کیونکہ ان دونوں کا خمیر ایک ہی باطل خاک سے اٹھایا گیا تھا۔ موجودہ امیر جماعت مرزائیہ لاہور مولوی صدر دین جب جرمنی میں بطور مبلغ کام کرتے تھے تو آپ کو انگریز کا جاسوس اور برطانوی سامراج آلہ کار کہا جاتا تھا۔ اس کا اعتراف

لاہور جماعت کی تاریخ تحریک احمدیت جلد دوم میں موجود ہے۔ لاہوری مرزائیوں کے ایک مبلغ جو خطاب یافتہ اور خان بہادر ہیں، ووکنگ مسجد لندن میں زنا جیسے قبیح فعل کے مرتکب ہوئے۔ یہ مشن اب مسلمانوں کے پاس ہے۔ لاہوری جماعت مرزائیہ کے ایک اور مبلغ نے سان فرانسسکو میں رقص و سرود کی ایک رنگین محفل میں مصر کے سابق شاہ فاروق کی بہن شہزادی فتیحہ کا نکاح ایک عیسائی ریاض غالی سے پڑھا۔ یہ دونوں نکاح سے پہلے سول میرج کے ذریعہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکے تھے۔ شاہ فاروق کی والدہ ملکہ نازلی نے خصوصی طور پر بشیر احمد منٹو مرزائی کو دعوت دی اور ایک معقول رقم معاوضے کے طور پر دی۔ مصر حکومت نے پاکستانی سفارت خانہ کی معرفت مرزائی مبلغ کو نکاح پڑھوانے سے منع کیا۔ امریکہ میں متعین سفیر مسٹر اصفہانی نے خاص طور پر اسے منع کیا لیکن اس مرزائی مبلغ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اس طرح مصر اور پاکستان کے تعلقات خراب ہوئے۔ اخبار الفضل لکھتا ہے کہ:

" اخبار المصری نے اس مجلس کے رقص و شراب اور عریانی کا متعدد تصاویر جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اور ساتھ ہی بشیر احمد صاحب منٹو کی تصویر بھی شائع کی ہے اس کو دیکھ کر اسلام سے محبت رکھنے والے ہر شخص کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن اہل پیغام کے نزدیک یہ ان کا ایک عظیم الشان تبلیغی کارنامہ ہے۔" العجب ثم العجب " (الفضل ربوہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء)

چند ماہ ہوئے لندن کے اخبارات میں ایک اور مرزائی مبلغ کی صاحبزادی کی تصویر چھپی ہے۔ یہ مبلغ محمد طفیل ووکنگ مشن پر آنسو بہانے اور نغمات احمدیت گانے میں معروف ہیں۔ صاحبزادی صاحبہ نے رقص کرنے میں غیر معمولی صلاحیت دکھائی ہے۔ یہ وہ تبلیغ ہے جسے قادیانی دنیا کے کناروں تک پہنچا رہے ہیں۔

امت مرزائیہ تبلیغ اسلام اور کسر صلیب کے نام پر سادہ لوح مریدوں سے سینکڑوں روپے بٹور رہی ہے اور مبلغین کا ایک گروہ یورپی اور صیہونی سامراج کی سیاسی خدمت انجام دینے کے علاوہ ننگ دین کارناموں میں مصروف ہے۔ کیا ہماری حکومت انہیں باتوں کے لئے قوم کا بیش قیمت زرمبادلہ لٹوا رہی ہے ——— ؟

بقیہ: اساتذہ دارالعلوم | اساتذہ سے علوم عقلیہ حاصل کئے۔ ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سے دورۂ حدیث پڑھا، طلباء میں آپ کا نمبر ۶۰ ہے۔ گویا سابقین میں سے ہیں۔ اس کے بعد مردان اور شمس آباد اٹک میں پڑھاتے رہے۔ شوال ۱۳۷۲ھ سے دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہوئے اور اب تک یعنی مسلسل بیس سال سے اعلیٰ کتابوں کی تدریس میں مشغول ہیں۔ چار صاحبزادے ہیں۔ نہایت سادہ متواضع اور بے تکلفی کا نمونہ ہیں۔ مولانا عبدالمالک نقشبندی مجددی سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔

قادیانی ایک غیر مسلم اقلیت

شاہ کشمیری کا ایک عربی قصیدہ

سرزمین کشمیر کے تین نامور فرزند

علامہ انور شاہؒ ، علامہ اقبالؒ ، سردار عبدالقیومؒ

اور

قادیانیت

از مولانا فاضل حبیب اللہ رشید صاحب

ماہنامہ الرشید لاہور کا پہلا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور قارئین سے الرشید کو متعارف کرانے کے خیال سے اس شمارہ کا اداریہ یہاں نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

★

آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد سے ذہن ماضی کے "معرکۂ اسلام و قادیانیت" کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ کے ہر طبقے نے اپنی بساط کے موافق عقیدۂ ختم نبوت کی پاسبانی کے فریضہ میں حصہ لیا، لیکن اس سلسلے میں کشمیر کے تین قائدین کا نام جریدۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہے گا۔ ان میں پہلی اور بزرگ ترین شخصیت امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور صورت و سیرت میں سلف صالحین کا عکس جھلکتا تھا۔ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ بقول حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ "صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ پیچھے رہ گئے" بارہا لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کبھی بازار سے نکلے، تو ہندو بھی اپنی دکانوں پر کھڑے ہو کر کلمہ پڑھنے لگے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے، میرے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلمان ہونا حقانیت اسلام کی دلیل ہے۔ اگر خدانخواستہ اسلام میں ذرا بھی نقص ہوتا تو شاہ صاحب کبھی اسے قبول نہ کرتے۔ قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اہل علم کے حلقے میں انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے

---

[1] مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

عظیم کتب خانے کے علاوہ مشہور لائبریریوں کی کوئی جدید یا قدیم مطبوعہ یا قلمی کتاب مشکل ہی سے ایسی نکلے گی، جو ان کے مطالعے سے نہ گزری ہو اور اس کے مضامین لوح حافظہ پر کندہ نہ ہوں۔

فتنۂ قادیانیت کو جس شدت سے انہوں نے محسوس کیا اور اس کی وجہ سے کرب و بے چینی کی جو کیفیت ان پر طاری ہوئی ہم ایسے بیقر دلوں کے لئے اس کا صحیح اندازہ بھی ممکن نہیں۔ خود شاہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ جب اس منحوس فتنے کا چرچا ہوا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اس سے دین اسلام میں ایک ایسا رخنہ واقع ہوگا، جس کی اصلاح بڑی دشوار ہوگی۔ اس احساس نے مجھے ایسا بے چین اور پریشان کیا کہ راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ مسلسل چھ مہینے تک مجھ پر کرب و اضطراب کی یہ کیفیت طاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس فتنے کا سارا طمطراق بادِ ہوا ثابت ہوگا۔ اس القاء کے بعد پریشانی کے سارے بادل چھٹ گئے اور دل کو قرار و سکون ہوا۔

شاہ صاحبؒ نے امتِ مسلمہ کے ذہن کو جھنجوڑا، اسے متنبہ کیا کہ قادیانیت کی حیثیت صرف اسلام کے ایک مجرد گمراہ فرقے کی نہیں، بلکہ قادیانیت کے معنی ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری، اسلام سے بغاوت انبیاء کرام کی توہین اور امتِ مسلمہ کی تکفیر اور تجہیل و تحمیق۔ قادیانیت نے نئی نبوت کا شاخسانہ کھڑا کرکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر جارحانہ حملہ کیا ہے۔ اور وہ کفر و ارتداد اور الحاد و باطنیت کے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر خدا و رسول سے جنگ لڑنے کے لئے میدانِ کارزار میں اتر آئی ہے، اس لئے ہر فردِ ملت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ حریم نبوت کی حفاظت کے لئے قادیانیت کے خلاف جہاد کرے، اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک طویل عربی قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

الا یا عباد اللہ قوموا و قوموا
خطوبا الممت ما لهن میدان

اے اللہ کے بندو! اٹھو! اور اسلام پر جو حوادث ٹوٹ پڑے ہیں، انہیں سیدھا کرنے کی تدبیر کرو۔

وحاربه قوم ربهم و نبيه
فقوموا النصر اللہ اذ مر دان

پھر اگر (یعنی قادیانی) اللہ و رسول کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں اتر آئے ہیں لہٰذا "اللہ کے بندو" کے لئے اٹھو، کہ وہ بہت قریب ہے۔

و قد عيل صبري في انتهاك حدوده

فهل ثم داع او مجيب اذان

حدودِ خداوندی کو ٹوٹتا دیکھ کر میرا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، تو کیا یہاں کوئی پکارنے والا یا پکار سننے والا ہے۔؟

واذ عز خطب جئت مستنصرا بكم

فهل ثم غوث بالقوم يدانى

جب پانی سر سے اونچا ہوگیا، تو میں مدد طلبی کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں، تو کیا، اے میری قوم! یہاں کوئی مظلوم کی مدد کو آنے والا ہے۔؟

لعمرى لقد نبهت من كان نائما

واسمعت من كانت له اذنان

بخدا! میں نے سوتوں کو جگا دیا۔ اور جن کے کان ہیں، ان کے کانوں تک آواز پہنچا دی۔

وناديت قوما في فريضة ربهم

فهل من نصير لى من اهل زمان

میں نے مسلمان قوم کو فریضۂ خداوندی کے لئے پکارا ہے تو کیا اہل زمانہ میں سے کوئی ایسا ہے جو میری مدد کو تیار ہو۔؟

دعوا كل امر د استقيموا لها دهى

وقد عاد فرض العين عند عيان

خدارا سب کچھ چھوڑ کر اس مصیبتِ عظمیٰ کے مقابلے میں اٹھو! کہ اب یہ سب پر فرضِ عین ہو چکا ہے۔

ليسب رسول من اولى العزم فيكم

تكاد السماء والارض تنفطران

اے مسلمانو! تمہاری موجودگی میں ایک اولوالعزم رسول (عیسٰی علیہ السلام کو قادیوں کی جانب سے) گالیاں دی جاتی ہیں (اور تم ٹس سے مس نہیں ہوتے) حالانکہ یہ ایسا سنگین حادثہ ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹا چاہتے ہیں۔

فشانئ شان الانبیاء محکفر
ومن شک فلی ھذا الاول ثانی
انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنے والا۔ بیشک وشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور جو شخص اس عقیدے میں شک کرے تو صاف کہو کہ یہ بھی پہلے کا دوسرا (یعنی اسی کے حکم میں) ہے۔

واکفر منہ من تنباء کاذبا
وکان انتھت ما امکنت بمکان
اور اس سے بدتر کافر وہ ہے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، حالانکہ نبوت اپنی امکانی حد تک پہنچ کر مکمل ہو چکی ہے ــــــ

ومن ذب عنہ اوتاول قولہ
یکفر قطعا لیس فیہ توان
اور جو شخص اس جھوٹے کذاب کی حمایت کرے یا اس کے قول کی تاویل کرے اسے بغیر کسی رو رعایت کے کافر قرار دے دیا جائے گا۔

وھل فی ضروریات دین تاول
بتحریفھا الا کفر عیان
اور "ضروریاتِ دین" میں تحریف کرکے تاویل کرنا کھلا کفر نہیں تو اور کیا ہے۔؟

ومن لم یکفر منکر یھا فانہ
یعدلہ الانکار یستویان
"ضروریاتِ دین" کے منکر کو کافر نہ کہنے والا، خود منکرین کی صف میں شامل ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیت سے متعلقہ اہم ترین مسائل پر نہایت بیش قیمت اور بے نظیر کتابیں سپردِ قلم فرمائیں۔ چنانچہ اس سوال پر کہ اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل کیا ہے۔؟ ....آپ نے اکفار الملحدین تالیف فرمائی، جس میں مستند حوالوں سے ثابت کیا کہ اسلام کی وہ تمام باتیں جو تواتر سے ثابت ہیں اور جنکا دینِ محمدی میں داخل ہونا بالکل بدیہی، قطعی اور ہر خاص وعام کو معلوم ہے، انہیں "ضروریاتِ دین" کہا جاتا ہے۔ ان تمام "ضروریاتِ دین" کو ان دعوں تسلیم کرنا اسلام ہے۔ اور ان میں سے

کسی ایک کا انکار کرنا یا اس میں تاویل کر کے اس کے مفہوم کو بگاڑنا اور اسے نئے معنی پہنانا کفر ہے۔ مثال کے طور پر نماز کو لیجئے، نماز اسلام کا عظیم ترین فریضہ ہے۔ اس کی فرضیت کا اعتقاد فرض، اس کا علم حاصل کرنا فرض اور اس کا انکار کفر ہے۔ یا مثلاً مسواک کو دیکھئے کہ مسواک اسلام میں سنّت ہے اس کے سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے۔ اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت بایں معنی کہ آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے، اس عقیدے کو اسی مفہوم میں تسلیم کرنا فرض ہے۔ اور اس کا انکار کرنا یا ختم نبوت کے معنیٰ میں تحریف کر کے اسے نئے معنے پہنانا کفر ہے۔ الغرض "ایمان وکفر" سے متعلقہ تمام مسائل کو نہایت بسط و تحقیق سے حل فرمایا۔ جس کی روشنی میں نہ صرف قادیانیوں کا بلکہ ہر ملحد و زندیق کا کفر و نفاق عیاں ہو جاتا ہے۔ ختم نبوت کے موضوع پر ایک رسالہ "خاتم النبیین" فارسی زبان میں رقم فرمایا، جس میں منصب ختم نبوت کے بہت سے دقیق پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا۔ ایک مبسوط رسالہ "عقیدۃ الاسلام" عربی میں اسلام کے اہم ترین عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر تالیف فرمایا۔ بقول علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی"

شاہ صاحب فرماتے ہیں: "مجھے امید ہے کہ اس رسالے کی برکت سے انشاءاللہ عیسیٰ علیہ السلام میری شفاعت فرمائیں گے۔" (نفحۃ العنبر) اسی موضوع پر ایک اور رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" تالیف فرمایا، جس میں یکصد مرفوع، موقوف احادیث جمع فرمائیں۔ یہ رسالہ بھی اپنے موضوع پر بے نظیر ہے۔

ان علمی مآثر کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اہل علم کی ایک بڑی جماعت تیار فرمائی اور ان سے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھوائیں، اس طرح "ختم نبوت" پر ایک وقیع کتب خانہ وجود میں آیا۔ انجمن خدام الدین لاہور کے عظیم الشان اجلاس میں مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" کا خطاب دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ختم نبوت کی حفاظت کا مستقل مشن ان کی قیادت میں "احرار اسلام" کے سپرد کیا۔ بہاولپور کے مشہور مسلم قادیانی مقدمہ میں شاہ صاحبؒ نے اسلام اور کفر کی عدالتی جنگ لڑی، جس میں فتح اسلام اور شکست کفّار کا ایمان افزاء نظارہ سب نے دیکھا۔ "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" اسی جہاد کا مال غنیمت ہے، جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں آج تک محفوظ ہے۔

کشمیر کے دوسرے قابل فخر سپوت علامہ اقبال مرحوم تھے۔ موصوف نے قادیانی مضمرات کو صحیح سمجھا، اس کے سیاسی پس منظر کی وضاحت کی اور اس کے ہولناک نتائج سے قوم کو آگاہ کیا۔ موصوف ہی نے پہلی بار قادیانیوں کو "غداران اسلام" کا خطاب دیا، انہیں مسلم تنظیمی اداروں سے خارج کرایا اور انہیں

غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ انگریز اس مطالبے کو شرف پذیرائی بخش کر اپنے "خود کاشتہ پودے" کو کاٹ پھینکنے کی غلطی ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن دنیا محوِ حیرت ہے کہ "اقبال کے پاکستان" میں اقبال کا ملی مطالبہ کیوں آج تک لائق التفات نہیں سمجھا گیا۔؟

کشمیر کے تیسرے نامور فرزند صدر آزاد کشمیر سردار عبد القیوم خاں ہیں، جنہوں نے دنیائے اسلام کے اس عظیم الشان مطالبہ کو پہلی بار آئینی شکل دینے کا فیصلہ کیا۔ ع ۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

کاش ! ملک کے دوسرے صوبوں کے علاوہ خود مرکز بھی اسلامی حمیت کا ثبوت دیتا اور جسدِ ملت کو قادیانی ناسور سے پاک کرنے کی توفیق اسے نصیب ہوتی۔ ▪▪

لہ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد اقلیت کی توثیق اور اس پر عملدرآمد کے بارے میں "خاموشی" افسوسناک ہے۔ سردار صاحب نے قادیانیوں کے بارے میں قوم سے جو وعدے کئے ہیں۔ انہیں ایفا کر کے ہی وہ سرخرو رہ سکتے ہیں۔ اللہ کرے وہ اس "امتحان" میں کامیاب رہیں۔ بصورت دیگر ان کا نہ صرف سیاسی بلکہ "مذہبی ارتداد" ملت مسلمہ کے نزدیک ناقابلِ معافی ثابت ہوگا۔ (الحق)

غیر مطبوعہ خطوط

عالمِ اسلام کی مقتدر شخصیت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکاتیب کا مجموعہ "مکتوبات شیخ الاسلامؒ" کے نام سے مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب نے مرتب کیا تھا جو چار جلدوں میں شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین پا چکا ہے۔ مگر اس ضخیم و عظیم مجموعے کے باوجود مولانا مدنیؒ کے بیسیوں مکاتیب ہنوز مجموعے کی صورت میں منظرِ عام پر نہیں آئے۔ مولانا مدنیؒ کی یہ یادگار محفوظ کرنے کے لئے ایک اور مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ مولانا مدنیؒ کے شاگردوں اور متوسلین سے درخواست ہے کہ زیرِ ترتیب مجموعہ کے لئے مولانا مرحوم کے اصل مکاتیب یا ان کی نقل مہیا فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔۔ اصل مکاتیب استفادہ کے بعد بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک واپس کر دئے جائیں گے۔ مکاتیب پتہ ذیل پر بھیجے جائیں:۔

العارض :۔ سمیع الحق

(اختر راہی)
ماہنامہ "الحق" دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک (ضلع پشاور)

ڈاکٹر سید محمد یوسف کراچی یونیورسٹی

عالم اسلام میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں

الجزائر میں علماء اسلام کا اجتماع

کانفرنس میں تیسرا موضوع تھا" التبشیر فی العالم الاسلامی" یعنی عالم اسلامی میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں۔ یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ کہی گئی کہ مسلم ممالک کی سیاسی آزادی اور استقلال کے بعد اس موضوع کو سرے سے ختم ہی ہو جانا چاہیئے تھا اور استعمار کی تاریخ کا جزو بن کر ماضی کی داستان میں جگہ پانا چاہیئے تھا۔ اس کے برعکس یہ موضوع آج پہلے سے کہیں زیادہ تازہ، خطرناک اور فوری اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد سے تمام مسلم ممالک میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں نئے وسائل اور نئے اسالیب کے ساتھ بڑے پیمانے پر اور بڑی سینہ زوری کے ساتھ نمودار ہوئیں۔ اور روز افزوں تیزی کے ساتھ آج بھی بلا روک ٹوک جاری ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔؟ کوئی کہے یا نہ کہے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ پس ماندہ ملکوں کو آزادی دیتے ہی یورپ کی ترقی یافتہ قوموں نے ان کو صنعتی ترقی کا خواب دکھلایا اور از خود دروازہ پر آکر طرح طرح کی امداد (٨١٥) کی پیش کش کی یہ امداد ایک ایسا جال ہے کہ طائر زیر دام جتنا باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اس کے پھندے مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ بالخصوص مسلم ممالک کی اس احسان مندی سے عیسائی مشنری تنظیموں کے حوصلے بڑھے اور ان کے کارکنوں کو اپنے منصوبوں پر عمل کرنے کے مواقع میسر آئے۔

تاریخ میں ہمیشہ استعمار اور کنیسہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف اور مددگار نظر آتے ہیں۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک فلسفہ ہے۔ ایک طرف تو یہ نظریہ ہے کہ دنیا تمام انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اس لئے کسی شخص یا قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں کو قدرتی ذخیروں تک پہنچنے سے روکے۔ یہ استعمار کی اخلاقی اساس ہے۔ دوسری طرف انجیل کا یہ حکم ہے کہ " جاؤ اور اقوام عالم کو تعلیم دو۔" اسطرح تبشیر کے لئے سیاسی اور فوجی طاقت سے مدد لینا فرض ہوا۔ چنانچہ استعمار اور تبشیر دونوں ایک دوسرے کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ جب پرتگال اور اسپین میں افریقہ کی تجارت کی بابت جھگڑا ہوا تو پاپا نیقولا خامس

نے یہ فیصلہ دیا کہ گینیا تک افریقہ کی سرزمین پر قبضہ کرنا پرتگال کا حق ہے۔ اگر کسی دوسری مسیحی طاقت نے اسکی مزاحمت کی تو اسے کنیسہ سے نکال دیا جائے گا۔ بعد کو جب کولمبس کے اکتشافات کے نتیجہ میں اسپین کی بحری طاقت بڑھ گئی تو ۱۴۹۲ء میں پاپا الگزینڈر نے دنیا کے مختلف حصوں کو پرتگال اور اسپین کے منطقۂ نفوذ SPHER OF INFLUENCE میں تقسیم کیا۔ اس سے بڑھ کر سبق آموز بات یہ ہے کہ انیسویں صدی میں جب فرانس میں دین اور دولت (کنیسہ اور حکومت) میں مکمل جدائی ہوچکی تھی اور سیاست میں کنیسہ کا عمل دخل گوارا نہ تھا عین اسی وقت فرانس کی حکومت الجزائر میں کنیسہ اور اس کے کارکن مبشرین (مشنریز) کو اپنی سیاست کی تنفیذ کا موثر ادارہ تصور کرتی تھی اور اسی اعتبار سے اس کی سرپرستی کرتی تھی۔ گھر میں تو کنیسہ سے قطع تعلق اور گھر سے باہر کنیسہ کے ہاتھ میں ہاتھ۔ وجہ ظاہر ہے کہ مستعمرات میں حکومت اور کنیسہ دونوں کا مقصد مغلوب مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا غلام اور تابع بنانا تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ انہیں ان کے دین سے ہٹایا جائے اور اسلام کی جڑ کاٹی جائے یہ مبشرین جو رحمت کا پیام لیکر آتے تھے ان کے وحشی اعمال کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۸۶۸ء میں انہوں نے الجزائر میں قحط کے حالات میں ۱۷۵۳ یتیم پکڑ کر عیسائی بنانے کے لئے بھیج دئے (ایسے واقعات ہندوستان کی تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔)

انیسویں صدی تک مسلمانوں کی غیرت کا یہ حال تھا کہ وہ ان عیسائی مبشرین سے حکومت کے اقدام کا انتظار کئے بغیر خود ہی نمٹ لیتے تھے۔ وہ ان کو بجا طور پر دشمن اسلام اور استعمار کا آلۂ کار اور جاسوس سمجھتے تھے اور دیکھتے ہی انہیں قتل کر دیتے تھے۔ غیرت مند مسلم عوام ان عیسائی مبشرین کو اپنے درمیان برداشت کرنے پر اس وقت مجبور ہوئے جب عیسائی حکومتوں نے کمزور مسلمان حکومتوں سے معاہدے کر کے امتیازات حاصل کئے۔ پھر بھی عرصہ تک یہ عیسائی مبشرین اندرونی علاقوں میں تاجروں کا بھیس بدل کر جاتے تھے۔ مسلمانوں کی رواداری کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ کہ یہ دشمنان اسلام یہودی تاجروں کے بھیس میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں "شارل دو فوکو" یہودی کے لباس میں تونس اور مغرب کے علاقہ میں گھومتا پھرا تاآنکہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور ایک مسلمان کی گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ آج یہ حال ہے کہ مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی حکومتوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ یہ رحمت کا پیام لانے والے صلیب بردار ان کے، ان کی سیاسی آزادی کے، اور ان کے دین کے دشمن ہیں۔

استاد عثمان الکعاک نے تبشیر یعنی عیسائی تبلیغ اور عیسائیت کے پرچار کے اقسام اور طریقہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

۱۔ پہلی قسم ہے التبشیر الصریح یعنی صریح انداز میں کھلم کھلا عیسائیت کا پرچار کرنا۔ اس کے دو طریقے ہیں

ایک طریقہ علمی مناظرہ کا ہے۔ اس طریقے سے عیسائیوں کو مطلق کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسلام نہایت سادہ منطقی اور آسانی سے عقل میں آنے والا مذہب ہے۔ اس کے برعکس عیسائیت کا ہر عقیدہ ایک گورکھ دھندا ہے۔ مسلمان علماء نے مناظرہ کی خدمت بڑی عرق ریزی اور خوش اسلوبی سے انجام دی۔ سب سے پہلے ابن حزم نے اپنی کتاب "الفصل بین الملل والنحل" میں اس کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد عبداللہ الترجمان کا نمبر آتا ہے۔ جو تونس میں "سیدی تحفہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ ابتداء میں بہت بڑے عیسائی پادری تھے۔ انہوں نے جب اسلام کا مطالعہ کیا تو خدا نے ایسی ہدایت کی کہ مسلمان ہو کر عیسائیت کا دندان شکن جواب لکھا۔ "پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"۔ ان کی کتاب کا نام ہے "تحفۃ الاریب نحو الرد علی اہل الصلیب"۔ یوں کہنا چاہیئے کہ گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے۔ انہیں کے ساتھ ہندوستان میں جواد ساباط اور شیخ رحمت اللہ کے نام زندۂ جاوید ہیں جنہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مناظرات کا سلسلہ ہی ختم کر دیا۔

علمی مناظرہ کے مقابلہ میں دوسرا طریقہ تشکیک کا ہے۔ یہ طریقہ تحریر تقریر اور تعلیم میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور مسلم نوجوانوں کو ان کے دین، تہذیب اور ثقافت ماضی اور مستقبل کی بابت شک میں ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اسلامی نظام حیات فرسودہ ہو چکا ہے۔ موجودہ دور میں مغربی نظام حیات اختیار کئے بغیر ترقی ممکن نہیں، مسلمانوں میں کبھی جمہوریت نہیں رہی۔ اسلام نے فقیروں اور مظلوموں کو صبر و شکر کی تلقین کرکے دبائے رکھا۔ علم میں ترقی کے لئے مسلمانوں کو قرآن کی زبان سے نجات حاصل کرنا پڑے گی۔ اس کے بعد وہ چاہے اجنبی زبانوں، انگریزی، فرنچ کی برتری قبول کرلیں چاہے "مادری زبان" کے تعصب میں پڑ کر اپنی وحدت کو پارہ پارہ کرلیں۔ بہر صورت رنگ چوکھا آئے گا۔ اس طریقہ سے کوئی مسلمان عیسائی تو نہیں ہوتا۔ اتنا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو "ملون گلو افشار" سمجھنے لگتا ہے۔ اسلام کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔
عیسائی مبلغ اس نتیجہ سے پوری طرح مطمئن ہیں اور یہ مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ اس کے لئے عیسائی مبلغ کتنے جتن کرتے ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث ہوگی جس کا بیان آگے آئے گا۔

"تبشیر صریح" کبھی کبھی شمشیر و سنان کے بل بوتے پر بھی ہوتی ہے۔ صلیبی جنگیں اس کی سب سے نمایاں مثال ہیں۔ وھران (شمالی افریقہ) کے علاقہ میں اسپین کافی عرصہ تک چھوٹے بچوں کو زبردستی عیسائی بناتے رہے۔ LUCERA میں سسلی کے مسلمانوں کو جمع کرکے آگ میں جلایا گیا۔ بحر ہند میں استعماری طاقتوں کی قزاقی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ استاذ عثمان الکعاک نے کہا: ذرا غور کیجئے۔ بیافرا میں کیا ہوا۔؟ جنوب سوڈان میں کیا ہوا؟ قبرص میں مکاریوس کیا کر رہا ہے۔؟ پاکستان کے ٹکڑے کرنے سے اصل مقصود کیا ہے۔؟

باقی ص۵۵ پر

جناب اختر راہی۔ ایم۔ اے

گھانا میں مسلمانوں کی حالتِ زار

عیسائیوں اور قادیانیوں کی سرگرمیاں

صحرائے اعظم افریقہ کے جنوب میں، بحراوقیانوس کے مشرقی ساحل پر گھانا کی چھوٹی سی مملکت ہے گھانا کا رقبہ ۹۲ ہزار مربع میل اور آبادی ۸ لاکھ ہے۔ مقامی آبادی نیگرو نسل سے تعلق رکھتی ہے دورِ استعمار میں تجارت اور حکومت کی غرض سے آنے والے ایک لاکھ یورپین اور دس ہزار شامی و لبنانی بھی آبادی کا اہم حصہ ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے آبادی کی تقسیم کے بارے میں متضاد رپورٹیں ملتی ہیں۔ گھانا کی عیسائی حکومت اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر مسلمانوں کی آبادی دانستہ طور پر کم بتاتی ہے۔ اور عیسائی اقلیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ۵۷½ فیصد آبادی مظاہر قدرت کی پرستش کرتی ہے۔ ۱۲½ فیصد مسلمان اور ۳۰ فیصد عیسائی ہیں۔ حالانکہ ۱۹۶۱ء کی اقوامِ متحدہ کی DEMOGRAPHIC YEAR BOOK کے اندراج کے مطابق مسلمان ۲۵ فیصد ہیں۔

انتظامی طور پر ملک چار خطوں میں منقسم ہے۔ ۱۔ سابق گولڈ کوسٹ۔ ۲۔ اشانٹی۔ ۳۔ منطقہ شمالی۔ ۴۔ برطانوی ٹوگولینڈ۔ مسلمانوں کی زیادہ آبادی منطقہ شمالی میں ہے۔ بعض حصوں میں آبادی کا تناسب ۸۰ فیصد ہے۔ مقامی آبادی مختلف قبائل میں بٹی ہوئی ہے۔ جن میں سے مشہور ترین قبیلے شانٹی اور فینٹی ہیں۔ ہر قبیلے کی زبان جُدا ہے۔ تاہم بڑی زبانیں صرف چار ہیں۔ انگریزی ملک کی سرکاری اور تجارتی زبان ہے۔

ملک کی معدنی دولت میں سونا اور مینگانیز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سونے کی کان کنی کی وجہ سے ہی یہ علاقہ گولڈ کوسٹ یعنی "طلائی ساحل" مشہور ہوا۔ زرعی پیداواروں میں ربڑ، کافی، ناریل کا تیل، چاول، اخروٹ اور کوکوا زیادہ اہم ہیں۔ دنیا کی کل پیداوار کا نصف کوکوا گھانا میں پیدا ہوتا ہے۔

گھانا میں طلوعِ اسلام | مسلمان عربوں نے اس علاقہ کو پہلی صدی ہجری ہی میں اپنی توجہات کا مرکز

بنا لیا تھا۔ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی مضبوط حکومت کے قیام کے ساتھ ہی عرب تاجروں نے جنوب کا رخ
کیا اور دریائے فزان کو عبور کرتے ہوئے سوڈان میں داخل ہو گئے۔ عرب تاجروں نے صرف اشیائے
تجارت کا لین دین ہی نہ کیا بلکہ اپنے بلند کردار اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سے مقامی آبادی کے دل موہ لئے
اور یہ لوگ حلقہ اسلام میں شامل ہونے لگے۔

شمال مغربی جانب سے مرابطین نے برّاعظم افریقہ کے اندرونی علاقوں کی طرف توجہ مبذول
کی اور اُن کی فتوحات کا سیلاب گھانا تک جا پہنچا۔ گھانا میں سب سے پہلے ابوبکر بن عمر نے "سلطنت
سونگھائی" قائم کی۔ ابوبکر کی وفات ۱۱۲۰ء میں ہوئی تھی۔ لیکن اس کی زندگی ہی میں گھانا، سیرالیون اور مشرقی
افریقہ کے ساحلی علاقوں میں اسلامی دعوت و تبلیغ کے مرکز قائم ہو گئے تھے اور ان علاقوں میں اسلام کی
اشاعت تیزی سے ہونے لگی تھی۔ بعد میں صوفیاء کے جیلانی، شاذلی، اور تیجانی سلسلوں نے اسلام
کی نشر و اشاعت کا فریضہ خود سنبھال لیا اور تبلیغ کا دائرہ کانگو تک وسیع کر دیا۔

دورِ استعمار اور حصولِ آزادی | مغربی استعماری طاقتوں کے قدم گھانا کی سرزمین میں پندرہویں صدی
عیسوی کے اواخر میں پڑے۔ سب سے پہلے ہسپانوی اور پھر پرتگالی بحری بیڑوں نے شہزادہ ہنری
کے زیرِ قیادت ان علاقوں پر چڑھائی کی اور وہ عربوں کو مغلوب کرتے ہوئے سیرالیون اور کانگو کی حدود
تک پہنچ گئے۔ پرتگیزوں نے گولڈ کوسٹ کو ۱۴۷۱ء میں فتح کیا اور مقامی معدنی دولت خصوصاً سونا
پرتگال منتقل کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر دوسری استعماری طاقتوں نے سونے کی اس کان کو ہتھیانے کی کوششیں
شروع کر دیں۔ آخر میں انگریز آئے اور پہلی طاقتوں کی طرح وقتی لوٹ کھسوٹ کی بجائے مستقل طور پر قیام کا
طویل منصوبہ بنایا۔ ۱۹۰۰ء میں طویل خونریز جنگوں کے بعد برطانیہ کو مکمل تسلط حاصل ہو گیا۔

انگریزوں نے آزادی پسند تنظیموں کو تشدد سے کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر دوسری جنگ عظیم نے
استعماری طاقتوں کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ تو گھانا میں ڈاکٹر انکرومے کی راہنمائی میں تحریک آزادی نے زور پکڑ لیا۔
آزادی پسند تنظیموں کی کوششوں سے ۷ر فروری ۱۹۵۷ء کو برطانوی حکومت نے گھانا کی آزادی کا قانون منظور
کیا اور ۶ر مارچ ۱۹۵۷ء کو گھانا آزاد ہو گیا۔

ڈاکٹر نکرومے کا دورِ حکومت | گھانا کی تحریکِ آزادی کے قائد اور ملک کے صدر کی حیثیت سے
ڈاکٹر نکرومے کو انتہائی شہرت اور نیک نامی حاصل تھی۔ ڈاکٹر نکرومے نے آغاز پارلیمانی جمہوریت سے
کیا تھا جس میں اختلافِ رائے اور اظہارِ خیال کی آزادی ہر فرد کا بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن جلد ہی
نکرومے نے گھانا کو یک جماعتی آمرانہ مملکت میں بدل دیا۔ حزبِ مخالف کو تشدد سے کچل ڈالا۔ اختلاف رائے

کرنے والے جلاوطن کئے گئے۔ زندان میں ڈالے گئے یا قتل کردئے گئے۔ بزعم خویش اختیارات کا سرچشمہ بننے کے بعد اخبارات کی آزادی سلب کرلی گئی۔ نوکر شاہی پورے عروج پر تھی اور اس صورت حال کے نتیجے میں احتجاج، غم و غصہ اور غیر یقینی حالات کی فضا پیدا ہوگئی۔

اکتوبر ۱۹۵۷ء میں گھانا کی تمام مخالف جماعتوں نے کماسی (صدر مقام اشانٹی) میں ایک کانفرنس منعقد کی جس کا مقصد ڈاکٹر نکرومے کی حکومت کے خلاف متحدہ محاذ کی تشکیل تھا کہ ۱۹۶۱ء کے عام انتخابات میں انکرومے حکومت کا بھرپور مقابلہ کیا جاسکے۔ قبائلی سردار بھی اپنے طور پر منظم ہوئے اشانٹی اور شمالی منطقے کے تعلیم یافتہ اور خوشحال مسلمانوں نے ملکی حقوق کی بحالی کے لئے احتجاج کیا۔

۱۹۵۷ء کے آخر میں پارلیمنٹ کے ایک رکن ایس جی۔ انوٹر کو سازش اور مسلح انقلاب کی کوشش کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ وہ ٹوگولینڈ سے پارلیمنٹ کے رکن تھے۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں حکومت نے ایسے قوانین بنائے جن کے ماتحت کسی بھی شخص کو حکومت غیر معین عرصہ کے لئے گرفتار یا ملک بدر کرسکتی تھی۔ جائداد، عمارات اور کاروبار پر قبضہ کرسکتی تھی۔ مقدمہ چلائے بغیر کسی بھی پارٹی کو خلاف قانون قرار دے سکتی تھی۔ صدر مملکت کو ہنگامی حالات کے اعلان کا اختیار حاصل تھا۔

مسلمانوں کی حالت زار نکرومے کے عہد حکومت میں گھانا کے سب ہی عوام آمریت کے بوجھ تلے پستے رہے۔ مگر مسلمان خصوصیت سے اس "نگہ کرم" کا نشانہ بنے۔ اگست ۱۹۵۷ء میں مسلمانوں کے امام اعلیٰ الحاج احمد بابا کو ملک بدر کر دیا گیا۔ امام احمد بابا کا جرم صرف یہی تھا کہ وہ اور دوسرے مسلمان "راہنما" حکومت کی مسلم کش پالیسیوں کی سختی سے مخالفت کرتے تھے۔ جنوری ۱۹۵۸ء کے آخر میں حکومت نے اپنے ایک کٹھ پتلی محمد متوکل کو امام اور کماسی کے مسلمانوں کا راہنما مقرر کردیا۔ حصول آزادی کے زمانے میں مسلمانوں نے ایک جماعت "گولڈ کوسٹ مسلم ایسوسی ایشن" تشکیل دی تھی۔ اس کے سربراہ الحاج محمد عباس تھے۔ جب مسلمانوں کو سیاسی طور پر محرومی کا احساس ہوا کہ ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ تو مسلمان سیاسی جہد و سعی پر مجبور ہوگئے اور یہی جمہوری طریقہ تھا۔ چنانچہ "گولڈ کوسٹ مسلم ایسوسی ایشن" نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا مگر اس تنظیم پر پابندی لگادی گئی۔ اس کے کچھ راہنماؤں کو ملک بدر کردیا گیا اور باقی حوالہ زنداں کردئے گئے۔

نکرومے کی حکومت انقلاب کی نذر ہوگئی مگر مسلمانوں کی محرومی کی طویل رات ہنوز ختم نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کی آبادی شمالی حصہ ملک میں زیادہ ہے۔ مگر ملک کی تمام اقتصادی ترقی جنوبی حصے میں ہورہی ہے۔ سڑکیں، کارخانے۔ تعلیمی اور تجارتی ادارے اسی حصہ ملک میں قائم ہیں۔

مسلمانوں کی ۴۵ فیصد آبادی کے باوجود سرکاری ملازمتوں پر عیسائی اقلیت کا قبضہ ہے۔ تمام کلیدی اسامیاں مثلاً صدرِ مملکت، وزیراعظم، وزراء کی اکثریت اور تقریباً تمام سفیر عیسائی ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ کہ برسرِ اقتدار عیسائی اقلیت کو مغربی بلاک کی معاشی و سیاسی تائید حاصل ہے۔

مسلمانوں کے کسی تہوار پر تعطیل نہیں ہوتی اس کے برعکس کرسمس، ایسٹر اور دوسرے عیسائی تہوار شان و شوکت سے منائے جاتے ہیں۔ اور سرکاری طور پر تعطیل ہوتی ہے۔

۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر بوسیا (Dr. BUSIA) کی حکومت نے ایک ملین مسلمانوں کو جلاوطن کیا اور اس طرح مسلمانوں کی عددی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو دین و ایمان سے بے گانہ رکھنے کی خاطر اسلامی مدارس بند کر دیئے گئے ہیں۔ دوسرے تعلیمی اداروں میں غیر مسلم اساتذہ تعینات کئے گئے ہیں۔ اور آئندہ مسلمان نسل کو تہذیبی و ثقافتی طور پر بے دین بنانے کی تمام کوششیں جاری ہیں۔

عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کی سرگرمیاں | یورپی عیسائی طاقتوں کا طریقہ تھا کہ زورِ بازو سے جس ملک پر تسلط جمایا کرتے تھے ساتھ ہی عیسائی مشنریوں کا جال بچھا دیتے تھے۔ مقامی آبادی کو عیسائی بنا کر اپنی جڑیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مضبوط کرنا ان کا مقصد ہوتا تھا۔ اگرچہ برصغیر میں مسلمان علماء کی کوششوں سے عیسائی مبلغ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے مگر افریقہ کی لامذہب آبادی میں عیسائی مشنریوں نے بال و پر پیدا کر لئے۔ اسمبلی آف گاڈ، دی ایونجلسٹ، کرسچن کونسل، دی سکاٹش مشن، ریفارمیٹڈ چرچز، فنڈامینٹلسٹ مشن، بلی گراہم مشن، دی میتھوڈسٹ، اینگلیکنز، اور رومن کیتھولک مشن اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان مشنوں کے پاس بے پناہ مالی وسائل، تعلیمی ادارے اور ہسپتال وغیرہ ہیں۔

اس کے برعکس مسلمانوں کا کوئی ایسا تبلیغی و رفاہی ادارہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اپنی دینی حالت بھی پتلی ہے۔ اور خود ان پر لادینی طاقتیں پنجہ آزمائی کر رہی ہیں۔ مسجدیں گنتی کی ہیں حتیٰ کہ دارالحکومت "اکرہ" میں محض ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور وہ بھی انتہائی خستہ حالت میں۔

مقامی مسلمان آبادی کی بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ربوہ کے قادیانیوں نے اپنا مشن قائم کر رکھا ہے۔ ۱۹۶۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق قادیانیوں کی سب سے بڑی جماعت گھانا ہی میں ہے۔ اور چودہ تعلیمی ادارے ان کے زیرِ نگرانی کام کر رہے ہیں۔ قادیانیوں نے غیر مسلم آبادی اپنے حلقہ میں شامل کرنے کی بجائے اپنی توجہات مسلمان آبادی پر مرکوز کر رکھی ہیں اور مسلمانوں

کے دین و ایمان کو تباہ کرنے اور استعماری مقاصد کے لئے انہیں استعمال کرنے کے درپے ہیں۔

عالم اسلام کی ذمہ داری | گھانا کے مسلمانوں کو عیسائی اور قادیانی مشنریوں کے چنگل سے بچانے اور اسلامی روایات و اقدار کے فروغ کے لئے عالم اسلامی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مبلّغین اور مسلمان علماء گھانا جیسے افریقی ملکوں میں جائیں۔ گھانا کے مسلمانوں کو منظم تعلیمی اداروں، لائق مذہبی عالموں، مبلّغوں اور تربیت یافتہ واعظوں کی ضرورت ہے اور یہ سارا کام عالم اسلام کی منظم مساعی اور ایثار سے ہی عمل میں آسکتا ہے۔

قرآن کریم کے افریقی زبانوں میں ترجموں کی شدید ضرورت ہے۔ گھانا کی مقامی زبانوں میں تراجم نہیں ہیں۔ اس طرف توجہ دینا اوّلین اہمیت رکھتا ہے۔ اس طرح موزوں اسلامی لٹریچر کی توسیع و اشاعت بھی ضروری ہے۔

حیرت ہے کہ عالم اسلام کے مخیّر حضرات دنیا جہان کے پروگراموں میں بے پناہ سرمایہ صرف کرتے ہیں، مگر اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ نہایت کم ہے۔

توضیح المراد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد

مولانا سید عبدالشکور ترمذی ساہیوال سرگودھا

اسلام میں ارتداد کی سزا

مخالفین کے شبہات کا ازالہ

پچھلے چند دنوں سے ایک بار پھر اسلام میں سزائے ارتداد جیسے قطعی اور اجماعی مسئلہ کو چند روشن خیال متجددین اور مغرب زدہ حضرات نے مشق ستم بنایا ہے۔ پیش نظر مضمون میں ایسے لوگوں کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے صحیح نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "ادارہ"

پاکستان اسلامی جمہوریہ حکومت ہے۔ ایک اسلامی حکومت میں یہ بات قابلِ اعتراض ہونے کے ساتھ باعثِ اضطراب وتشویش بھی ہے کہ اس میں حکومت کے اساسی نظریہ اسلام کے خلاف سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے اور عیسائی مشنریوں تک کو کھلی اجازت ہو کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے مسلمانوں کو عیسائی بناتے رہیں اور مسلمانوں پر بھی کوئی ایسی پابندی نہ لگائی جائے۔ کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائی وغیرہ بنانے سے باز رہیں اور اس طرح مذہب اسلام کے تبدیل کرنے کی مسلمانوں کو کھلی چھٹی حاصل ہو۔ اسلامی حلقوں کی یہ شکایت بجا ہے۔ کہ پاکستان میں عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں میں ارتداد کے جراثیم پھیلانے کا حق دیدیا گیا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کر کے عیسائی بنا لیا ہے۔

آزادی کے وقت ہمارے ملک میں عیسائیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم تھی آج ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور ترغیب وتربص کے شکم پرور ذرائع کی وجہ سے ان کی تعداد ۲۸ لاکھ سے اوپر ہے (نوائے وقت ۲۳ مئی ۱۹۷۳ء)

بلاشبہ شخصی حقوق کے تحت اسبات کی اجازت پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ "کوئی شہری اپنے مذہب پر عقیدہ رکھے، اس پر عمل کرے۔" مگر قانون اسلام کی رو سے کسی

مسلمان کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مذہب اسلام کو تبدیل کر کے مرتد ہو جائے ۔ اور وہ مملکت کے اساسی نظریۂ اسلام کو ترک کر دے ۔

ایک مسلمان کا دینِ اسلام سے انحراف اور اسلامی سلطنت کے اساسی نظریۂ اسلام سے بغاوت کرنا اگر قابلِ سزا جرم نہیں ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ دین اسلام (نعوذ باللہ) ایک بے حقیقت دین ہے جس سے انحراف کی کوئی سزا نہیں ہے کیا دینِ اسلام اور اسلامی مملکت ایسی ہی بے قدر و قیمت چیزیں ہیں کہ ان کے بارہ میں کھلی اجازت ہو کہ جس قسم کا چاہے طرزِ عمل اختیار کر لیا جائے اور کوئی روک ٹوک نہ کی جائے ۔ نوائے وقت ۱۳/ فروری ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں الحاج ممتاز احمد فاروقی نے مولانا مفتی محمود صاحب کے انٹرویو کے جواب میں جو مضمون مسئلہ ارتداد اور اسلام کے عنوان سے سپردِ قلم کیا ہے ۔ اور اس میں انہوں نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ "کیا مذہب اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے ۔ ؟"

اس سوال کا جواب یہی ہے کہ اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور یہی سزا قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے ۔ ارتداد کے معنی اگرچہ لغت میں لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں ۔ مگر اصطلاحِ شریعت میں اسلام اور ایمان میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں ۔ مفردات امام راغب میں ہے : ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر ۔ اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے ارتداد میں اسلام کی بے قدری اور اسکی سخت توہین ہے ۔ اس لئے ارتداد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے ۔ جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے اور حکومت تسلیم کر لینے کے بعد پھر اس سے باغی ہو جانے میں اس حکومت کی توہین ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد اس سے بغاوت کی سزا سخت ہوتی ہے ۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے قوانین کی رو سے فاروقی صاحب کے مضمون کا تفصیلی جائزہ لیا جائے ۔ اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے ۔

پہلی دلیل اور اس کا تجزیہ | مضمون نگار نے پہلی دلیل ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے پر قرآنِ کریم کی آیت ۲۵۶ پیش کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں : "قرآنِ کریم نے سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶ میں صاف فرمایا ہے ۔ کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ۔ ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے ۔ آگے لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا دعویٰ ہے کہ اپنے پیروؤں کو بجبر کچھ نہیں منواتا بلکہ یہ چیز منواتا ہے ۔ اس کی دلیل یہی دیتا ۔ ہے کہ ہدایت کی راہ واضح ہو چکی ۔"

سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۶ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے ۔

اس کے الفاظ یہ ہیں : لا اکراہ فی الدین ۔ "زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں ۔" اس سے اوپر

کی آیت، وانک لمن المرسلین۔ "اور بلاشبہ آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ہیں": میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔ اور زیر تفسیر آیت سے ملی ہوئی آیت الکرسی میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور عظمت صفات کا بیان ہے۔ اور یہی دو امر توحید و رسالت جن کا ذکر اس آیت سے پہلے فرمایا گیا ہے، دین اسلام کے اصل الاصول ہیں۔ اور جب ان دونوں کو دلائل سے ثابت کر دیا گیا۔ تو اس سے دین اسلام کی حقانیت کا بھی لازمی طور پر ثبوت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق | حق تعالیٰ جل شانہٗ اپنی ربوبیت عامہ اور حکومت کاملہ اور مخلوق کی محکومیت اور عبدیت کی بنا پر اپنے مخلوق و محکوم بندوں کو دین اسلام کے قبول و تسلیم کرنے پر مجبور کریں۔ تو یہ بھی ان کا جائز حق ہے۔ اس لئے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ اگر تکوینی طور پر اپنے اس حق کی روائگی کا بجبر مطالبہ کریں اور اپنے قدرت و تصرف سے سب کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کر دیں۔ یا تشریع کے ذریعہ ایسا شرعی ضابطہ مقرر فرما دیتے، جس سے سب کو بجبر اسلام میں داخل ہونا پڑتا تو کسی کو اس پر حرف گیری اور لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہ سب کا خالق اور مالک ہے۔ اور خالق و مالک کو اپنی مخلوق و مملوک میں ہر طرح کے تصرف کرنے اور اس کے لئے ہر قسم کے قانون بنانے کا حق حاصل ہونا ایک مسلمہ بات ہے۔

باوجود حق ہونے کے جبر نہ کرنے میں حکمت | لیکن چونکہ یہ دنیا آزمائش اور ابتلا کا مقام ہے۔ اس لئے دنیا میں کسی شخص کو ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ اس کو ایمان کے قبول نہ کرنے پر اختیار ہی نہ رہے اور اس کے قبول کرنے پر وہ تکوینی یا تشریعی طور پر مجبور محض ہو جائے، حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے آزمائش و ابتلا کی مصلحت فوت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو دین اسلام کے قبول کرنے اور ایمان لانے پر نہ تو تکوینی طور پر مجبور فرمایا اور نہ ہی تشریعی طور پر کوئی ایسا قانون بنایا کہ لوگوں کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑتا ہو۔

دین اسلام قبول کرنے میں اختیار | اس لئے بندوں کو نہ صرف یہ کہ باختیار خود ایمان لانے کا اختیار دیدیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے اختیار سے ایمان لا کر دین اسلام کو قبول کریں۔ اور اگر نہ چاہیں تو قبول نہ کریں بلکہ ایمان کے معتبر ہونے کیلئے اس کا باختیار خود قبول کرنا شرط قرار دیدیا اور حالت اضطرار اور جبر و اکراہ سے قبول کیا ہوا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر معتبر اور نامقبول قرار پایا۔

آیت کی تفسیر | آیت زیر تفسیر میں اسی بات کا اعلان فرمایا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا اکراہ فی الدین۔ یعنی (دین) کے قبول کرنے میں ہماری طرف سے (کوئی جبر نہیں ہے) بلکہ ہر ایک

کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ اور اب اپنے اختیار کو ایمان کے لئے کام میں لائے یا کفر کیلئے یہ ہر شخص کا اپنا کام ہے اور دین کے قبول کرنے پر جبر کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ : قد تبین الرشد من الغی۔ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اور اسلام کی خوبی قطعی دلائل سے واضح ہے۔ اور جبر و اکراہ ایسے کام میں کیا جاتا ہے۔ جسکی خوبی مخفی ہو واضح نہ ہو۔ جب دلائل سے دین اسلام کی خوبی ثابت کر دی گئی اور ہدایت گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو چکی تو اب جبر و اکراہ سے کسی کو اسلام قبول کرانے اور مسلمان بنانے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔؟

ایسی حالت میں جو شخص بھی دین اسلام کی خوبیوں سے اعراض اور اس کے محاسن سے صرف نظر کرے گا۔ اور ہدایت سے روگردانی کر کے کفر گمراہی کو اختیار کرے گا تو وہ دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے خود کو تباہی میں ڈالے گا۔ اس لئے اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہو گا۔ کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسے شخص کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

اسلام و کفر کے احکام | البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام اور کفر میں سے جسکو بھی اختیار کیا جائے گا۔ اس کے احکام اور آثار اس پر ضرور مرتب ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مثلاً دین اسلام کے قبول کرنے پر مومن کیلئے جنت کی ہمیشہ کی راحتیں اور قبول نہ کرنے پر دوزخ کی دائمی تکالیف۔ یہ تو آخرت میں اسلام و کفر کے آثار اور اچھے بُرے نتائج ہیں۔ اور مثلاً مومن معصوم الدم ہونا اور کافر کا بعض حالتوں میں مباح الدم وغیرہ ہونا اسلام و کفر کے دنیا میں احکام اور نتائج ہیں۔ کیا یہ احکام لا اکراہ فی الدین۔ کے خلاف ہیں۔؟ تفسیر مذکور سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں جس جبر و اکراہ کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد دین اسلام کے قبول کرنے میں جبر و اکراہ ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کسی کافر اور غیر مسلم کو دین اسلام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے۔ کہ قرآن کریم اپنے پیروؤں کو بھی بجز کچھ نہیں منواتا اور مسلمانوں پر بھی اسلام کے ترک کرنے پر پابندی عائد نہیں کرتا جیسا کہ مضمون نگار نے سمجھ لیا ہے۔ آیت کا یہ مطلب ایسا ہی غلط ہے۔ جیسا کہ اس کا یہ مطلب بتلایا جائے کہ دین کے معاملہ میں جتنی بھی سختی اور جبر کیا جائے اس کو سختی اور جبر نہیں سمجھا جانا چاہیئے۔ اور دین کے معاملہ میں ہر طرح کا جبر کرنے کی اجازت ہے۔ اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مطلب لیا جائے کہ اسلام کے قبول کر لینے کے بعد ہر قسم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس سے بجبر کچھ نہیں منوایا جاتا۔ یہاں تک کہ اسلام کے بعد کفر کو اختیار کرنے پر بھی اس سے دارو گیر نہیں کی جا سکتی۔ پھر تو کسی بھی جرم کے ارتکاب پر سزا کا نافذ کرنا جبر و اکراہ کی نفی کے خلاف ہو گا۔ اور ہر

شخص جرم نہ کرنے پر مکرہ اور مجبور ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مطلب بالبداہت غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ قتل، زنا، چوری وغیرہ کی جو سزائیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان سزاؤں کا نفاذ اور اجراء بھی جبر واکراہ میں شمار کیا جائے اور ان سزاؤں کے خوف سے جو لوگ ان جرائم پر اقدام نہیں کرتے وہ بھی جرائم کے نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں، اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اور نماز، روزہ وغیرہ فرائض کے ادا نہ کرنے پر کسی قسم کی سزا کا تجویز کرنا بھی جبر واکراہ میں داخل ہو جائے گا۔ اور حقوق زوجیت وغیرہ کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور نہ اس پر کسی طرح کی سزا مقرر کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ کہہ دیا جائے گا۔ کہ قرآن اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا۔ اس لئے حقوق اللہ یا حقوق العباد کے ترک کرنے اور اس میں کوتاہی کرنے پر اگر سزا تجویز کر دی گئی تو ان حقوق کی ادائیگی پر جبر واکراہ لازم آکر لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہو جائے گا ــــ تو کیا اب قاتلوں، زانیوں اور شرابیوں چوروں کو بھی کھلی چھٹی دیدی جائے گی اور ان پر کوئی سزا نہیں تجویز کی جائے گی۔؟ کیا نماز روزہ اور حقوق اللہ نیز حقوق العباد کے ترک پر بھی کسی کی دار و گیر نہیں کی جائے گی۔؟ آیت میں جبر واکراہ کی نفی کا یہ مطلب کہیں کسی بھی عاقل کے نزدیک درست ہو سکتا ہے۔؟ اور کیا کوئی بھی دینوی قانون اور حکومت اس قسم کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے۔

مرتد کی سزا بھی لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں اگر جرم قتل اور جرم زنا وغیرہ کی سزا کو جبر واکراہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا تو جرم ارتداد اور ترک اسلام کی ایسی سزا کو جبر واکراہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔! جس طرح یہ سزائیں ان افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتی ہیں۔ اسی طرح ارتداد اور اسلام کے بعد اس کے انکار و کفر کو اپنے اختیار سے قبول کرنے کا نتیجہ سزائے قتل کی صورت میں مرتد پر مرتب ہوتا ہے۔ اور اس کو وہ اپنے اختیار سے برداشت کرتا ہے۔

سزائے ارتداد اور حد زنا و قصاص میں فرق غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سزائے ارتداد اور حد زنا اور قصاص میں یہ فرق بھی ہے کہ حد زنا اور قصاص سے بچنا زانی اور قاتل کے اختیار سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور مرتد کو سزائے قتل سے بچنے کا اختیار حاصل رہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ارتداد سے توبہ کر کے سزائے قتل سے بچ سکتا ہے۔ لیکن زانی اور قاتل کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے وہ حد زنا اور قصاص سے خود کو بچا لے۔ اب اگر مرتد کفر کو اختیار کر کے اس کے نتیجہ سزائے قتل کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ اس پر وہ مجبور نہیں ہے۔ اس طرح اگر وہ توبہ کر کے اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو یہ بھی اس کا اختیاری فعل ہے۔ اس پر بھی وہ مجبور نہیں ہے۔

غلط فہمی | ارتداد کی سزائے قتل کو اکراہ میں داخل کرنے والوں کو دراصل یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ وہ اس سزا کو اسلام پر مجبور کرنے کیلئے سمجھ رہے ہیں۔ اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتد پر یہ سزا جاری کر دی جاتی ہے تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سزا اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے دی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ سزا تو اس پر ترکِ اسلام کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہو رہی ہے۔ اور اس کے جرم ارتداد کا یہ خمیازہ اسکو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

البتہ اس نتیجہ کے ترتب سے بچنے کا اس کے لئے ایک راستہ قبولِ اسلام کھلا ہوا ہے۔ ارتداد کے بعد مرتد کو اسلام کی مہلت اسکو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے نہیں دی جاتی، بلکہ خیر خواہانہ مشورہ کے طور پر اس کو سزائے ارتداد سے بچنے کا ایک راستہ دکھلایا جاتا ہے۔ غرضیکہ ترکِ اسلام کے بعد دوبارہ اسلام کا قبول کر لینا جرمِ ارتداد کی سزا سے بچنے کی ایک تدبیر ہے اور اس نتیجہ کے ترتب سے مانع ہے۔ جو ترکِ اسلام کے بعد اس پر مرتب ہونے والا ہے کا یہ جرم ارتداد سے ہی مستحق ہو چکا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرتا اور پر اصرار کرتا ہے۔ جرمِ ارتداد کی سزا کا اس پر ترتب ہو جاتا ہے۔ اور ارتداد کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ تلوار کے زور سے اسکو قبولِ اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے کس قدر غلط فہمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترکِ اسلام قابلِ سزا جرم ہے۔ اور وہ اپنے پیروؤں کو جبراً اسلام پر قائم رکھتا اور کسی مسلمان کو ترکِ اسلام کی اجازت نہیں دیتا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے پیروؤں پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا اور ان کو جبراً کوئی بات منوانا جبراً اسلام میں داخل کرنا نہیں ہے۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے ماننے والوں پر جبری احکامات کا نفاذ کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ اگر جرم ارتداد پر مہلت دیئے بغیر ہی اسکی سزا کو جاری کر دیا جایا کرتا یا مرتد کا دوبارہ قبولِ اسلام نامقبول اور غیر معتبر پاتا تب بھی اس پر کسی اعتراض کا موقع نہیں تھا۔ کیونکہ جرائم کے ارتکاب اور ثبوت عند الحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے سے دنیوی حدود ساقط نہیں ہوا کرتیں۔ یہ سہولت صرف حدِ ارتداد کے نفاذ میں ہی دی گئی ہے۔ کہ جرم ارتداد کے ثبوت عند الحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے اور رجوع الی الاسلام کی وجہ سے اس کی دنیوی سزا کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔

اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مفہوم صحیح ہو کہ دین میں کسی بات پر بھی جبر نہیں کیا جاتا تو پھر کیا قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی ان سزاؤں کو بھی اس مفہوم کے خلاف کہا جائے گا۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث سے

ہو رہا ہے۔ حالانکہ ارتداد کی سزا کی نسبت ان سزاؤں کا اس مفہوم کے خلاف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اس لئے کہ ان سزاؤں سے خود کو بچانے کا کوئی اختیار مستحق سزا کو نہیں دیا جاتا اور سزا کے برداشت کرنے پر اسوقت وہ مجبور محض ہوتا ہے۔ بخلاف سزائے ارتداد کے کہ اس کا مستحق اگر چاہے تو اسکی سزا سے خود کو بچا لینے کا اختیار اسکو دیا جاتا ہے۔" جیسا مفصل گذر چکا ہے۔

اب قتل وصلب وغیرہ کی جن سزاؤں کو بحالت مجبوری برداشت کرنا پڑتا ہے اور ثبوتِ جرم کے بعد ان سزاؤں سے بچنے کا کوئی اختیار مجرم کو نہیں دیا جاتا۔ ان کو تو لا اکراہ فی الدین۔ اور دین میں جبر واکراہ کی نفی کے خلاف نہ سمجھنا اور ارتداد کی سزا کو اس کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کا تضاد اور تمام امتِ مسلمہ کے خلاف قرآن فہمی کا نرالہ طریقہ ہے۔

جرم ارتداد پر سزائے قتل کی وجہ | اب رہا یہ سوال کہ ترکِ اسلام اور ارتداد پر سزائے قتل کو تجویز ہی کیوں کیا گیا ہے ؟ سو اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ترکِ اسلام میں پوری ملتِ اسلامیہ کا ہتک حرمت اور اسکی بے عزتی ہے۔ اگر کوئی شخص سرے سے اسلام کو قبول ہی نہ کرے تو اس پر کچھ جبر نہیں اور اس میں اسلام کی کچھ توہین نہیں ہے۔ لیکن اسلام کو برضا و رغبت قبول کر لینے کے بعد اس کے ترک کرنے اور ارتداد سے اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے۔ سزائے ارتداد سے مقصد شریعت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ارتداد کے جراثیم سے متاثر نہ ہو۔ اور کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے لئے اسلام کا ترک ، فتنہ اور آزمائش کا سبب نہ بن جائے۔ شریعتِ اسلامیہ کی نگاہ میں ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے مرتد کی حالت کو دیکھ کر اور اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر دوسرے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے اور ملتِ اسلامیہ کی حقانیت میں تذبذب اور تردد واقع ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور اسطرح ملت میں فسادِ عظیم اور فتنہ کے برپا ہونے کا قوی امکان پیدا ہو کر ملت کے شیرازہ بکھرنے کا پورا سامان جمع ہو جاتا ہے۔ اس فتنہ کے سدباب اور ملتِ اسلامیہ کو انتشار سے بچانے کے لئے ترک اسلام اور ارتداد کو قابل سزا جرم قرار دے کر اس پر سزائے قتل کو تجویز کیا گیا ہے۔ جب شریعتِ اسلامیہ نے ایک جان کے قتل اور ایک عورت کی ہتک عزت (زنا) کی سزا قصاص اور رجم کی صورت میں تجویز کی ہے تو پوری ملتِ اسلامیہ کی بے حرمتی اور ہتک عزت کو کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ اگر اس پر قتل کی سزا کو تجویز کر دیا گیا۔ تو اشکال کیوں کیا جاتا ہے۔ ؟

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملت کو حفاظت خود اختیاری کے حق کی رو سے ایسے اقدامات کا حق پہنچتا ہے ، جن کے ذریعہ پیداشدہ فتنوں کے استیصال کے ساتھ متوقع خطرات اور انتشار

سے ملت کی حفاظت کی جا سکے اس لئے ایسے حفاظتی قوانین بنانے اور اقدامات کرنے سے ملتِ اسلامیہ کو بھی نہ تو محروم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی انکار یہ حق اس سے چھینا جا سکتا ہے۔

جس طرح دنیوی حکومتوں کیلئے یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ مملکت کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف کسی باشندے کے اقدام کرنے پر وہ سزائے موت تجویز کر دے کیا سرمایہ دار ممالک اپنے کسی باشندے کو مملکت کی بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنے اور اسے کیمونسٹ بن جانے یا کیمونسٹ نظریات کی تبلیغ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔؟ اور اسی طرح کیمونسٹ ممالک اپنے کسی شہری کو غیر کیمونسٹ اقدامات کرنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں۔؟ ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس طرح ان کا نظامِ حکومت اور سلطنت کی بنیادی پالیسی تباہ ہو کر رہ جائے گی جسکو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مملکتِ اسلامیہ کا بھی یہ حق تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ وہ اپنی رعایا (مسلمانوں) کے لئے ایسا قانون بنا دے جسکی رو سے ملتِ اسلامیہ کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنا ممنوع قرار پائے اور ملتِ اسلامیہ کی حدود سے نکلنا اور اسلام کا ترک کرنا ناممکن ہو جائے۔ اور اگر کوئی مسلمان ملتِ اسلامیہ سے بغاوت اور سرکشی اختیار کر کے اسلامی سرحد کو عبور کر جانے اور ارتداد کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر سخت سے سخت سزا قتل کو تجویز کر دے اس سزا کو تجویز کر کے شریعتِ اسلامیہ نے درحقیقت مملکتِ اسلامیہ اور ملتِ اسلامیہ کی بنیادی پالیسی کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے۔ اور اپنے حفاظتِ خود اختیاری کے حق کو استعمال کیا ہے ـــــ اب جو یہ کہا جا رہا ہے کہ بظاہر دنیاوی نقطہ نگاہ سے ایک مہذب ملک میں اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز نظر نہیں آتا (نوائے وقت حوالہ بالا) یا تو یہ کوتاہ نظری اور غلط نظری کا نتیجہ ہے یا پھر ملحدانہ پروپیگنڈے اور یورپین غلط نظریات سے مرعوبیت کا اثر ہے۔ ورنہ ملک وملت کو فتنوں سے بچانے اور انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز کیوں نظر نہیں آتا۔

خلاصہ | خلاصہ کلام یہ ہے کہ سزائے ارتداد کسی غیر مسلم کو بجبر و اکراہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے مقرر نہیں کی گئی ورنہ غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت میں رہنے کی اجازت ہی نہ ہوتی اور کا فراصلی سے جزیہ قبول نہ کیا جاتا بلکہ یہ سزا مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے اور ملتِ اسلامیہ کو انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے بطور حفاظتی اقدامات کے تجویز کی گئی ہے۔
اور جب آیت زیر بحث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی کو بجبر و اکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا تو پھر آیت مذکورہ اور سزائے ارتداد میں تعارض ظاہر کر کے اس آیت کو سزائے ارتداد کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ؟ جس اکراہ کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے سزائے ارتداد سے اس اکراہ کا ہرگز اثبات نہیں ہوتا۔ یہ محض مغالطہ اور فریب ہے۔ اسلئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ہدایت کی راہ گمراہی سے متمیز ہو سکتی ہے۔ اس لئے بجبر داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے" (حوالہ بالا) لیکن سزائے ارتداد کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کیلئے سمجھنا ہی دراصل مضمون نگار کی غلط فہمی ہے۔ اور اس سزا سے یہ نتیجہ نکالنا ہی غلط ہے۔ کہ مرتد کو جبر و اکراہ سے اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے، جیسا کہ تفصیل بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ (باقی آئندہ)

شیخ حسن خالد مفتی جمہوریہ لبنان

ترجمہ : ع ۔ ق ۔ ہاشمی

مفتی لبنان کا ایک تازہ فتویٰ

اور ربوٰا اسلام میں حرام ہے

آج ہی اتفاق سے ایک فتویٰ پر نظر پڑی جو سماحۃ الشیخ حسن خالد مفتی الجمہوریۃ اللبنانیہ نے ایک مستفتی کے جواب میں لکھا ہے ۔ اور رسالہ الفکر الاسلامی بابت جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ (جولائی ۱۹۷۳ء) میں شائع ہوا ہے ۔ دل نے چاہا کہ آپ کو اس کا ترجمہ بھیج دوں ۔ کہنے والے کہا کرتے ہیں کہ بنکوں کے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ ممالک اسلامیہ میں سے دیا گیا ہے ۔ حالانکہ مجھے اب تک کسی اسلامی ملک کے کسی ذمہ دار مفتی کا ایسا فتویٰ نہیں ملا ہے ۔ ہر جگہ بنک کے سود کو حرام ہی قرار دیا گیا ہے ۔ یہ ایک اور فتویٰ اس سلسلہ میں مل گیا پیش خدمت ہے :

سوال :۔ بگرامی خدمت سماحۃ الشیخ حسن خالد مفتی الجمہوریۃ اللبنانیۃ الموقر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ وبعد

بعض لوگ اپنی رقم بنکوں میں جمع کرا دیتے ہیں ۔ اس رقم پر انہیں فیصد کے حساب منافع بھی حاصل ہوتا ہے ۔ یہ منافع حرام ہے یا حلال ۔۔۔۔ ؟ فتویٰ دیں اعزکم اللہ ۔

المستفتی ۔ علی احمد سالم النحّال

جواب :۔ الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ والتابعین ۔ وبعد ۔ بنکوں کا دیا ہوا منافع ہماری دانست میں ربوٰا ہے اور ربوٰا اللہ تعالیٰ کی کتاب کریم میں اس کے صریح کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احادیث صحیحہ کے بموجب حرام ہے ۔ اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ ربوٰا حرام ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور ربوٰا کو حرام قرار دیا ہے" ۔

اور فرمایا: "اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور جو باقی رہ گیا ہے ربوا میں سے، اگر تم ایمان والے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ اب اس کے بعد بھی تم نے یہ نہیں کیا تو اللہ و رسول کی طرف سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ۔" (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵ - ۲۷۸ - ۲۷۹)

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی (صحیح مسلم ۲۶)

اور لعنت صرف کسی بڑے شرعی گناہ کے ارتکاب ہی پر ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا احکام کی بناء پر کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے۔ کہ بنکوں میں جمع کئے ہوئے کسی مال پر کوئی فائدہ یا منافع حاصل کرے کیونکہ یہ ربوا ہے۔ اور ربوا حرام ہے۔

دوسری طرف اسلام میں یہ بھی ایک اصول ہے کہ "ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "بغیر بغاوت و عداوت کے اگر کوئی شخص مضطر ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں" (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۳)

اسی لئے اس مضطر کیلئے جس کو بھوک پیاس سے جان جانے کا حقیقی خطرہ موجود ہو۔ یہ جائز ہے کہ اگر حرام غذا کے سوا کچھ اور نہ ملے تو اسی سے اپنی جان بچائے۔ اور حرام مشروب کے سوا کوئی اور مشروب میسر نہ آئے تو حرام ہی سے اپنی پیاس بجھائے۔ لیکن لازم یہ ہے کہ بقدر ضرورت سے زیادہ استعمال میں نہ لائے۔ یہ صرف اسی کیلئے اور اسی خاص حالت میں مباح ہے۔ ورنہ یہ از روئے شریعت حقیقۃً حرام ہی ہے۔

اس اصول کا اطلاق بنک سے حاصل شدہ منافع پر بھی ممکن ہے۔ بنک سے جو منافع ملے وہ بنک سے تو لے لیا جائے۔ مگر حلال مال سے بالکلیہ الگ رکھا جائے۔ دونوں کو ملنے نہ دیا جائے اگر کوئی ضرورت قاہرہ پیش ہی آجائے تو محض ضرورت کی حد تک، اس سے فائدہ اٹھایا جائے، تاکہ دین اسلام نے جس حد تک اجازت دی ہے، اس سے تجاوز نہ ہو جائے۔

بہتر ہے کہ ایک فنڈ ضروریات کے نام سے قائم کر لیا جائے اور بنک سے حاصل شدہ منافع کو اسی میں جمع رکھا جائے۔ مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی کوئی ضرورت شدیدہ جب پیدا ہو جائے اور حلال ذریعہ سے اس کی تکمیل ممکن نہ رہے تو اس جمع شدہ سود والی رقم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس مال کو مال زکوٰۃ میں نہیں شمار کیا جائے گا۔

دستخط شیخ حسن خالد مفتی
الجمہوریۃ اللبنانیہ

ادارہ المعرفت

از الندوہ۔ اخبار العالم الاسلامی
مکّہ مکرمۃ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی نہیں چڑھایا گیا

جدید علمی تحقیقات نے مسیحی دنیا میں تہلکہ مچا دیا

سعودی عرب کے روزنامہ الندوہ اور ہفت روزہ اخبار العالم الاسلامی میں اس واقعہ کی تفصیلات شائع ہوئی ہیں جس میں جدید سائنسی اور علمی تحقیقات کے بعد واضح اور قطعی دلائل سے اس نتیجہ پر پہنچنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی۔ یہ قرآن کریم کے اعجاز اور صداقت کی ایک اور روشن دلیل ہے جس نے چودہ سو سال قبل اعلان کیا تھا۔ "وقولہم انّا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ ۚ وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبّہ لہم ۚ وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ۚ ما لہم بہ من علم الا اتباع الظنّ ۚ وما قتلوہ یقیناً۔ بل رفعہ اللہ الیہ ۚ وکان اللہ عزیزاً حکیماً۔ وان من اہل الکتٰب الا لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ ۚ"

نبی کریمؐ کے ذریعہ قرآنِ کریم کے اس اعلان کی صداقت کا ظہور شاید یہودی اور عیسائیوں کے نظریات کو تو جھنجھوڑ دے مگر ہمارے ہاں کے "مسلم نما یہودی" یعنی مرزائے قادیان کے متبعین ہمیشہ کی طرح اب بھی عقیدۂ وفاتِ مسیح پر ڈٹے رہیں گے، کہ ان کے محبوب مردہ، آنکھیں اندھی، اور کان بہرے ہو چکے ہیں۔۔۔

مدّت سے فلسفی کی چنیں و چناں رہی ... لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہاں رہی

مستشرقین فلاسفر کے مایۂ ناز سائنسداں ڈاکٹر کورٹ برنا اور اس کے دیگر رفقاء نے قرآنِ پاک کی صداقت اور رحمتِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا اعتراف کرلیا۔ ڈاکٹر کورٹ برنا عیسائی عقیدہ رکھنے والا مشہور محقق ہے، جو مدّتِ مدید سے اس تحقیق میں مصروف ہے کہ وہ مقدس کپڑا جس کی لمبائی ۴۳۸ء اور چوڑائی ۱۰ء ا گز ہے جس کو سنہ ۱۲۰۴ء کی صلیبی جنگ میں فلسطین سے ایک سپاہی فرانس لے گیا تھا اس کپڑے پر خون کے نشانات ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

خون مبارک کے دھبے ہیں۔ عیسیٰؑ کو سولی سے اتارنے کے بعد اس کپڑے میں لپیٹا گیا۔ اس کپڑے اور ان نشانیوں کی مادی تحقیق اور تجزیہ کے لئے جرمنی کے ماہرین نے پندرہ ہزار ڈالر خرچ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے خونی نشانات نہیں۔ نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پہ لٹکایا گیا۔ اور نہ ان کو قتل کیا گیا۔

ڈاکٹر کورٹ برا کی اس عظیم الشان تحقیق کو مغرب و مشرق کے اخبارات نے پوری شان و شوکت سے شائع کیا۔ اس تحقیق کی مکمل تفصیلات کو یونائیٹڈ پریس نے شائع کیا۔ اور چین کے مشہور اخبار "چینی ڈاک" جو ہانگ کانگ سے شائع ہوتا ہے۔ اس تحقیق کا خیر مقدم کیا ہے۔ امریکی ریکارڈ کے ماہنامہ ٹائمز اور دیگر اہم اخبارات نے ڈاکٹر کورٹ برنا کی تحقیق کو سراہا ہے۔ یہ تحقیق قرآن کریم اور روایات نبویہؐ کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔ ■■

بقیہ : عیسائی مشنریاں

فلپائن میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کیوں کھیلی جا رہی ہے۔؟

ایک قسم "التبشیر المختفی" ہے۔ یعنی وہ تبشیر جو رحمت اور نیکی کے لبادہ میں چھپی ہوئی ہے۔ عیسائی گشتی شفاخانے، بڑے بڑے ہسپتال، اونچے اونچے مدرسے، یتیم خانے، دار الامان، سیلاب اور طوفان کے مارے ہوئے لوگوں میں امدادی کام، گھر گھر جا کر خواتین کو دستکاری سکھانا اور حفظان صحت کے طریقے سکھانا، یہ سب ظاہر میں رحمت اور باطن میں عذاب ہیں۔ جس روز ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ دیکھو عیسائی کیسے رحم دل ہوتے ہیں۔ اور کیسے نیکی اور خیرات کے کام کرتے ہیں۔ اسی روز اسلام سے برگشتگی کا بیج اس کے دل میں پڑ جاتا ہے۔ (مسلسل)

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی
اسلامیہ کالج پشاور

میری

علمی و مطالعاتی ——— سلسلہ ۱۳ ———

زندگی

حدیثِ ناگفتنی

قسط

۳

مولانا تھانویؒ | قصد السبیل گو ۶۲ صفحہ کا رسالہ ہے۔ لیکن حکمت اشرفیہ نے سلوک کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ بہشتی زیور گو عورتوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ لیکن حقیقتاً حنفی نکتہ نظر سے مسائل کا ایک قیمتی و محتاط ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ و استحضار ایک وسطانی عالم کی فقہی معلومات کے بقدر ہے۔ بیان القرآن اور نشر الطیب کے بارے میں فقیر کی معروضات گذر چکی ہیں۔ سلوک میں حضرت کی کتاب التکشف عن مہمات التصوف خصوصاً اس کا پانچواں حصہ خاصہ کی چیز ہے۔ اور فقیر کی ذہنی ساخت میں اس کا عظیم حصہ ہے۔ التشرف احادیث سلوک کا اچھوتا مجموعہ ہے اور مسائل السلوک میں قرآنی نصوص سے فنی اعتبارات و حقائق کو ثابت کیا گیا ہے۔ کلید مثنوی رومی کے حقائق و رموز کی شاہ کلید ہے۔ اور فنی نکتہ نظر سے مثنوی کی اردو میں اشرف الشروح ہے۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی اور بحر العلوم کی خاصی شرح بھی اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سلف صالحین کے طریقے کے مطابق سلوک کو ہر غل و غش سے پاک کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں نکھار کر امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپ کی صوفیانہ تصنیفات انشاء اللہ رہتی دنیا تک امت کے لئے قندیل ہدایت بنی رہیں گی۔ تجدید تصوف سلوک کا یہ کارنامہ مجددیت اشرفیہ کے تاج کا تابندہ گوہر ہے ؎

کبھی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

یہ عجالہ اس دور کے اعظم المصنفین کے علوم و کمالات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ یہاں استقصاء

مقصود ہے۔ تاہم یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ علوم اشرفیہ کا بحر ناپیدا کنار بقدر طلب و ظرف ہر طالب کی پیاس بجھانے کے لئے کافی ہے۔

حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے مکاتبت کا تعلق ۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ سلوک کی طرف توجہ ہوئی۔ گھر میں مکتوبات امام ربانی (مجدد الف ثانی) کا ترجمہ موجود تھا۔ ابتدا اس سے ہوئی۔ حضرت مجدد کے مکتوبات نے شرعی تصوف شریعت و طریقت کی عینیت دکھائی۔ ذات باری کی تنزیہ - وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور دیگر مسائل سلوک کی حقیقت واضح فرمادی اور اس راہ میں اپنا مسلک یہ بن گیا۔[1] مارا بالنص کار است نہ بافص، مارا فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔

حضرت تھانوی اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ (التکشف جلد پنجم) اور مسائل السلوک سے بھی یہ بات دل میں پیوست ہوگئی کہ شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت۔ دیگر ہیچ اس کے سوا جس نے کچھ کہا وہ یا شریعت کو نہیں جانتا یا طریقت سے ناواقف ہے۔

کتب تصوف سلوک کی کتابوں میں سراج طوسی کی کتاب اللمع محاسبی کے رسائل خصوصاً رسالۃ المسترشدین عبداللہ انصاری ہروی کی منازل السائرین طالب مکی کی قوت القلوب امام قشیری کا رسالۃ القشیریۃ علی ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالیؒ کی احیاء العلوم (مع تخریج عراقی) و کیمیائے سعادت۔ شیخ سہروردی کی عوارف المعارف، حضرت شیخ جیلانی کی غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، یحییٰ منیری کے مکتوبات سہ صدی، نظام الدین اولیاء کے فوائد الفواد۔ ابن عربی کی فصوص الحکم و فتوحات مکیہ۔ مولوی رومی کی مثنوی معنوی، ابن قیم کی مدارج السالکین الوابل الصیب وغیرہ۔ امام شعرانی کی کتابیں مجدد سرہندی کے مکتوبات۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں خصوصاً قول الجمیل۔ تفہیمات الٰہیہ کے بعض مقالات۔ حجۃ اللہ البالغۃ مباحث احسان وغیرہ شاہ اسمٰعیل شہید کی صراط مستقیم و عبقات۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جملہ تصنیفات اور ان کے سلسلہ الذہب سے منسلک مشاہیر اکابر متقدمین و متاخرین کی صوفیانہ کتابیں اور دیگر ائمہ سلوک کی اہم کتب و اسفار اسلامی سلوک کا بیش بہا سرمایا ہے۔

گو سلوک سراپا عمل ہے۔ تاہم علمی اعتبار سے ان اساطین صوفیہ کی کتابیں اسلامی سلوک کی حقیقت اور عہد بعہد کی فکری تاریخ سے ایک گونہ آگاہ کرسکتی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں علمی معلومات کا انبار کفایت نہیں کرتا بلکہ کسی شیخ کامل کی تربیت اور علمی محنت و کوشش منزل تک پہنچاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے ۔

صد کتاب و صد ورق را در نار کن — قلب خود را جانب دلدار کن

---

[1] مکتوب صد

حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی برکات کا اثر ہے۔ کہ ان کے انتساب کی وجہ سے یہ "بدنام کنندہ نکو نامے چند" بر کو چک کی بعض عظیم دینی وعلمی شخصیتوں کی نظر کرم التفات و توجہات کے قابل ٹھہرا (والحمد للہ علی ذالک)

مولانا عبدالباری ندوی | ان میں پہلے بزرگ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے رفیق قدیم حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ومجاز بیعت قدیم وجدید فلسفہ کے ماہر ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہٗ ہیں، جن کی کتابوں کا تجدیدی سلسلہ ـــ تجدید تصوف وسلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم وتبلیغ، تجدید معاشیات ـــ علوم اشرفیہ کی ترجمانی و وضاحت میں اور اپنی افادیت میں بے مثل ہے اور جدید طبقہ کے لئے حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ کے علوم کی کلید ہے۔ حضرت موصوف کی ان چاروں کتابوں سے بندہ فیضیاب ہوا۔

"سورہ والعصر کی تفسیر" اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔ فریضہ تبلیغ و دعوت پر خاصہ کی چیز اور ہر مسلمان کے پڑھنے کے قابل ہے۔

"مذہب وسائنس" تو مولانا کا شاہکار ان کی قدیم وجدید علوم سے واقفیت کی شاہد اور سائنسی علوم سے مرعوب اشخاص کے لئے نادر تحفہ ہے۔

عبدالماجد دریابادی | دوسری شخصیت حضرت سیدی قدس سرہٗ کے صدیق حمیم اردو کے صاحب طرز و منفرد ادیب، صدق کے مدیر شہیر مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کی ہے۔ مذاہب عالم اور عصری علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری و ہمہ گیر ہے۔ مشرقی ومغربی علوم سے یکساں بہرہ ور ہیں جس پر ان کی تفسیر (انگریزی)[1] اور اردو اور صدق کی نگارشات شاہد ہیں۔

یوں تو صدق اور صاحب صدق کی تحریر[2] مدتوں سے قلب ونظر کی بالیدگی اور ادبی ذوق کی پاکیزگی کا سبب بنتی رہی۔ اور ان کی اکثر دینی وادبی کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن مولانا کی جس تصنیف نے ابتدا

---

[1] تفسیر ماجدی (انگریزی) دینی لٹریچر کا ایک گرانمایہ سرمایہ - قابل قدر علمی کوشش - قرآن کے "مہین" "مصدقاً لما معھم" ہونے پر دلیل ناطق اور برہان قاطع ہے۔ تفسیر میں دیگر ادیان کے صحف و کتب سے قرآنی آیات کے شواہد اور ہم معنی آیتیں اس قدر کثرت سے نقل کر دی گئی ہیں۔ کہ استقصاء پر حیرت ہوتی ہے۔ تقابل ادیان اور اہل کتاب کے صحف سے موازنہ اور ان کی شہادتوں سے قرآن کی سچائی کا ثبوت خاصہ کی چیز ہے۔ غالباً تفسیری ادب اس قسم کی نظیر سے خالی ہے۔

[2] سوائے ان کے ایک معلوم تفردؔ کے۔

میں متاثر کیا وہ سفرنامہ حجاز ہے، جو والہانہ عقیدت و محبت، قلبی واردات، عالمانہ حزم واحتیاط، دینی حقائق، فقہی مسائل، صوفیانہ نکات، سفری معلومات، فقہی مشوروں، سنجیدہ و درد مندانہ تبصروں کا عجیب وحسین امتزاج ہے۔ طرز بیان دلکش و رواں۔ انشائیہ ماجدی کا اعلیٰ نمونہ۔ ہر ذوق کے قاری کے لئے وافر مواد مہیا ہے۔ شروع کیجئے تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ مولانا کی باقیات صالحات میں یہ سفرنامہ انشاء اللہ اونچا مقام پائے گا۔ کتاب کا مقدمہ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کا لکھا ہوا اور سلیمانی جامعیت وادبیت کا مرقع۔

دوسری کتاب "حکیم الامت" ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ لیکن قلم ماجدی نے حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کی زندگی کے جو عکیمانہ نقوش، والہانہ خاکہ ہر شعبۂ زندگی کا سراپا کھینچا ہے۔ اسلوب بیان طرز اور پیشکش میں اچھوتا مقام رکھتا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی دلبرانہ زندگی، قلندرانہ ادائیں۔ علمی ذوق، ادبی مذاق، تربیتی دقیقہ رسی، پاسداری حقوق، رعایت جلیس، نرمی و محبت، ضبط اوقات و نظم معمولات ــــ "بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست" کی جو تصویر "حکیم الامت" میں دکھائی دیتی ہے دلکشی و زیبائی کی بہترین مثال ہے۔

تیسری کتاب "محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق" ہے۔ زندگی میں جن چند کتابوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ یہ کتاب ان میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ کلک ماجدی کو محمد علی کا نام ہی گویا وجد میں لے آتا ہے۔ مولانا کا شدت تاثر ہر لفظ سے چھلکتا ہے۔ کاغذ پر الفاظ کی بجائے درد دل اور خون جگر عجب بے تابانہ انداز میں بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ شاید کوئی منظوم مرثیہ اتنا دردناک اور کرب انگیز ہو۔ جتنے محمد علی (جوہر) کی زندگی کے یہ سادہ و منثور واقعات۔ محمد علی کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ دل میں اتر جانے والی نصیحت۔ درس بصیرت اور مرقع عبرت ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم کو زندگی میں جن محرومیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی کامیاب موت کے بعد سیرت جوہر کی یہ معجزنما نقاب کشائی اس کی مابعد الموت کامرانیوں کا ایک حصہ ہے۔ اور شاید اس کے شعر ۔۔

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر مرکے جوہر آپ کے جوہر کھلے

کی جیتی جاگتی تعبیر ہے۔

صاحب صدق کے یہ جواہر پارے جوہر کے حق میں "لسان صدق فی الآخرین" ہیں۔

۱؎ باب ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۸۸ اور اس کے ضمیمے تو قیامت ہیں۔

وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلّھم یرجعون کے مصداق ہوں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر مولانا دریابادی کے مرتب کردہ مکتوبات[1] سلیمانی کا یہاں تذکرہ نہ کیا جائے۔ محشی مکتوبات کے اس مجموعہ میں برصغیر کے مسلمانوں کی چالیس سالہ علمی و ادبی دینی و سیاسی تاریخ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا کی یہ علمی و ادبی خدمت وابستگان دامن سلیمانی پر ایک عظیم احسان ہے۔

ابوالحسن علی ندوی | اس سلسلہ میں تیسری شخصیت مخدوم و محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی کی ہے۔ جو اپنی مجالانت شان علمی، و نظری خدمات دینی اور دعوتی سرگرمیوں کی بنا پر عرب و عجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں متعدد مشرقی و مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہیں۔ اردو عربی دونوں زبانوں پر یکساں مہارت و عبور[2] ہے ——— عربی میں ایک

---

[1] فقیر کا دونوں جلدوں پر تبصرہ صدق جدید لکھنؤ کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی کے مولانا دریابادی کے نام مکتوبات کا یہ مجموعہ مولانا موصوف نے فقیر اور دیگر دوستوں کے اصرار پر اپنے مفصل حواشی کے ساتھ مرتب فرمایا۔ ادبی تاریخ میں دو نادرۂ روزگار ادیبوں اور فاضلوں کی باہمی مکاتبت کا اتنا طویل زمانہ شاید ہی ملا ہو۔ مکتوبات کا یہ مرقع دو عظیم و شریف دوستوں کی چالیس سالہ رفاقت و مودت کی حسین روداد ہے۔ جو بیش بہا علمی، ادبی، تاریخی فوائد پر مشتمل ہے۔

[2] علی الطنطاوی نے خوب کہا ہے:

ولقد کنت اعجب حین اقرأ لابی الحسن فأجد لرجل من الھند ھذا الاسلوب البلیغ وھذہ الاصالۃ وھذا الطبع ثم زال العجب لما ظھر السبب وعلمت ان اباالحسن عربی صریح صحیح النسب کالاصبھانی مؤلف الاغانی والابیوردی الشاعر وھما قرشیان امویان، والفیروزآبادی صاحب القاموس وان خبر عربیتہ متواتر مستفیض فی الھند ممن ھنا جاء ھذا البیان الذی قل نظیرہ فی ھذہ الایام۔

وقل ان یشتغل غیر العربی بعلوم العربیۃ حتی یکون اماماً فیھا فی اللغۃ والنحو والصرف والاشتقاق وفی سعۃ الروایۃ بل ان اکثر علماء العربیۃ کانوا فی الواقع من غیر العرب ولکن من النادر ان یکون فیھم من لہ مثل ھذا (الذوق الادبی) الذی نعرفہ لابی الحسن فلو لم تثبت عربیتہ بصحۃ النسب ثبتت باصالۃ الادب۔ (المسلمون فی الھند ص۳)

خاص و منفرد اسلوب نگارش کے موجد ہیں۔ یہ طرز تحریر عربی ادب عالیہ کی ایسی صنف ہے جس میں دینی علوم کمال فصاحت و بلاغت و عمدہ زبان میں جدید و قدیم طبقہ کے سامنے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ علی میاں کی زبان میں عذوبت و حلاوت۔ درد و سوز، بلندی فکر، داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذب۔ مورخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی، ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ خود سراپا سوز و درد ہیں۔ ان کا خمیر محبت و رزمی محبت سے عبارت ہے۔ علم و تقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی سند ان سے مزین ہے۔ مشرق و مغرب کے دینی و عصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں۔ ان کی تحریر دلوں کے اندر اتر جاتی ہے۔ اور بیک وقت دل و دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔

مولانا موصوف کی جس کتاب نے سب سے پہلے گھائل کیا۔ وہ سوانح مولانا الیاس ہے۔ جو بار بار پڑھی اور ہر مرتبہ قلب و روح نے لطف تازہ پایا۔ ایک مرد حق آگاہ جس کی زندگی ؎

مسلمانی غم دل در خریدن — چو سیماب از تپ یاراں تپیدن
حضور ملت از خود در گذشتن — دگر بانگ انا الملت کشیدن

کا عملی نمونہ تھی۔ اس کا سراپا و سوانح ایک دلفگار قلم نے آب دیدہ و خون جگر سے لکھا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جذبات کا تلاطم اور جوش محبت کتاب کی سنجیدگی ثقاہت و ہوش پر غالب نہیں آیا۔ نسخہ ہے ؎

در کفِ جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام سندان باختن

دوسری کتاب تاریخ دعوت و عزیمت ہے۔ جو امت مسلمہ کے لافانی کمالات، جاودانی اثرات، دائمی ثمرات بارآور مزاج، ثمر فطرت اور زرخیزی زمین کا بین ثبوت ہے ؎

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حضرت علی میاں مدظلہ نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے[۲]۔ اسلامی

---

[۱] کتاب کا مقدمہ سیدی الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے ایجاز رقم کا اعجاز ہے۔

[۲] اسلامی دینی علمی و معاشرتی تاریخ سے ناواقف (شاہی خانوادوں کی تاریخ کی سرسری شدبد رکھنے والے) اپنی بے بصری سے "عصر سعادت" کے بعد اسلام کے زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں۔

دعوت و عزیمت کے اعاظم الرجال اپنے ماحول میں جن فتن و آزمائشوں سے دوچار ہوئے اور انہوں نے اپنی خداداد بصیرت و ذہانت علم و معرفت للہیت و تقویٰ، جیداری و عزم، قربانی و نفوذ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کی شکستہ صفوں کو ثبات بخشا، ان کی رہنمائی کی اور اسے ساحل مراد تک پہنچایا۔ وہ امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص، امت کی فضیلت اور حضرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ ہے۔ اس اعجاز و کمال کا ایک زندہ و پرشور، جاندار و پرسوز محرک عمل و مفید علم مرقع و مجموعہ ایک سید و سعید قلم کے ہاتھوں مرتب ہو گیا ہے جس کے مطالعہ سے امت کی بقا و ترقی کے بارے میں یاس و قنوطیت کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور مستقبل میں بھی رحمت الٰہیہ سے ایسے نفوس قدسیہ کے پیدا ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ یہ امت لافانی یہ دین ابدی ہے۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون[1]۔

تیسری کتاب سوانح مولانا عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی ہر سطر کسی سوختہ سامان دلدوہ قلب اور سینہ بریاں کی پکار ہے۔ علی میاں نے اپنے شیخ کو محض ذاکر شاغل بزرگ اور زاہد مرتاض کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ نہ ہی ان کی کرامات حسی کا تذکرہ کیا۔ بلکہ اپنے شیخ عالی مقام کی بصیرت فن، اعتدال مسلک، وسعت قلب و جامعیت، حقائق بینی و مہارت سلوک اور تربیت کے غوامض و دقیقہ رسی کا بیان اس انداز سے فرمایا ہے۔ کہ دل و دماغ، نفس و روح، سیراب و شاداب ہو جاتے ہیں، ان کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ہمارے بوریانشیں گلیم فقر میں کس طرح مختلف طبقات کے دلوں پر شاہی کرتے تھے اور معاشرہ پر اثر انداز ہوتے تھے۔ سچ ہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

گویا (بزعم بدبین) اسلام کے ان ناواقف دوستوں کے نزدیک خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اپنا پیام و نظام عملی و دعوت ختم ہی ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ خلافت راشدہ کا خاتمہ اسلام کے "معیاری اور نمونہ" کے دور کا اختتام تھا۔ ملوکیت سے اسلام نہیں تھا، صرف اسلامی آئین کی ایک دفعہ اپنی جگہ سے ہٹی، جسے مسلمانوں نے آسانی سے برداشت نہیں کیا۔ واقعہ کربلا واقعہ حرہ، نفس زکیہ کا خروج وغیرہ اس احتجاج کا رنگین ثبوت ہیں۔ امت کا عمومی و جمہوری مزاج باقی رہا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

[1] اس کتاب کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ کاش چوتھا حصہ جو مجدد سرہندی اور ہندوستان کے متاخرین ارباب دعوت عزیمت پر مشتمل ہو تا شائع ہو جاتا۔

ہوچکی کتاب سیرت سید احمد شہید ہے۔ امیر المومنین فی الہند مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ہماری بزم مدنشین کے گوہر شب چراغ قافلہ یسین کے سالار جہاد دعوت کے علم بردار ناموس شریعت کے پاسبان تھے۔ امیر شہید اور امام شہید (سید اسمعیل شہید) کے کارناموں میں صحابہ کی جیداری و فدائیت، اخلاص و تقوی اور اتباع شریعت کی جھلک پائی جاتی تھی آہ!

درمیان کارزار کفر و دین ترکش مارا خدنگ آخرین

انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے پیش نظر ان کی مخالفت کا ایسا صور پھونکا کہ ہما شما یگانہ و بیگانے اس کی آواز میں گم ہو گئے۔ اور مظلوم امیر شہید کو (سوائے ایک مخصوص حلقے کے) غیر تو کیا اپنوں نے بھی ہدف ملامت بنایا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہیں کے خاندان کے ایک فرد فرید کو اللہ تعالی نے توفیق دی۔ اور انہوں نے امیر شہید اور ان کے رفقاء پر سے گرد و غبار کے تو بر تو پردوں کو ہٹایا۔ اور ان کی عظمت جس کے سامنے بالاکوٹ کی بلندیاں پست ہیں دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئی۔ فقیر کے علم میں سید احمد شہید پر حضرت علی میاں اور مولانا غلام رسول مہر کی کتابوں سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔

یوں تو مولانا موصوف کی ہر کتاب قابل قدر، مفید اور وقتی تقاضوں کے مطابق ہے۔ سب کتابوں پر گفتگو اس مختصر مقالے میں نہیں ہو سکتی۔ تاہم اسلامی ممالک میں اسلام و مغربیت کی کشمکش کی افادیت کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ موجودہ دور میں فتنہ افرنگ نے اپنی ہوش ربائی۔ مکر و کید۔ ظاہری چمک دمک۔ مادی ترقیات سے جس طرح اسلامی ممالک کو مسحور کیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر لگا دیا ہے مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے عظیم المیہ ہے۔ اس کتاب میں مختلف رخوں سے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب قابل دید و لائق داد ہے۔ اسی طرح ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کے عروج و زوال کا دنیا پر اثر" اپنی نوع کی منفرد کتاب اور مصنف کی دیدہ وری تاریخ دانی بصیرت اور نکرو بینی کا ثبوت اور ان کی زندگی کا روشن کارنامہ ہے [۲]

ردۃ ولا ابابکر لھا کا ترجمہ "موجودہ طوفان اور اس کا مقابلہ" ایک نہایت اہم وقیع اور پراثر

---

[۱] برکو چک ہند و پاک کے ضمن میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالی کی مساعی کا تذکرہ کا فقدان طبیعت پر گراں ہے جس کا تذکرہ فقیر نے مصنف علام سے کر دیا ہے۔

[۲] کتاب کا انگریزی ترجمہ ISLAM AND THE WORLD بھی فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ خوب ہے اور ہر جدید تعلیم یافتہ کے پڑھنے کے لائق۔

مقالہ ہے جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے[1]۔ اقبالؒ نے اپنی غزل کے بارے میں کہا ہے ؎

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

یہی بات علی میاں کی نثر پر صادق آتی ہے۔ کہ ان کی تحریر میں ان کے دردمند دل کے ٹکڑے اور سوختہ جگر کا لہو شامل ہوتا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ دین و دانش کا خزینہ۔ عشق و عقل کا آمیزہ اور قدیم و جدید کا سنگم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ جواہر سب سے زیادہ ان کی جدید اور قابل فخر بلکہ شاہکار کتاب الارکان الاربعہ میں چمکے۔ کھلے اور نکھرے ہیں۔ یہ کتاب ادب[2] و انشاء کا بہترین نمونہ، حرف و معنی کا اعجاز، واردات قلبی اور دلائل عقلی کا حسین امتزاج اور بیک وقت دل و دماغ کی طمانیت و تسلی کا سامان ہے۔ دیگر مذاہب سے عبادات اسلامی کا موازنہ اور اسلامی عبادات کی خوبی و فوقیت پر استدلال ___ جدید و قدیم دونوں طبقات کے لئے برہان ساطع و دلیل قاطع امید ہے کہ علی میاں مدظلہ، کی یہ کاوش احیاء العلوم الدین (غزالی) اور حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) کے پہلو بہ پہلو حیات جاوید پائے گی۔ اور حقانیت دینی کا روشن مینار بنی رہے گی۔

ابوالحسن علی الندوی مدظلہ کی عربی کتابوں میں الارکان الاربعہ اور "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے علاوہ الطریق الی المدینۃ، ربانیۃ لا رہبانیۃ، روائع اقبال، حدیث مع المغرب، الصراع بین الایمان والمادیۃ مذکرات سائح فی الشرق العربی، المسلمون فی الھند، نزہۃ الخواطر (ہشتم) وغیرہ اور دیگر کئی چھوٹے کتابچے نظر سے گذرے۔ ہر کتاب ان کی تحریر کے خصوصی امتیازات کی حامل ان کی بے چین روح اور پرسوز دل کی پکار ہے۔ جس کا بنیادی مقصد احیاء دینی اور ملت کی

---

[1] اس مقالہ پر فقیر کے تاثرات صدق جدید لکھنؤ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔

[2] تاریخ ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے عظیم ادیب جن کے ادبی شاہپارے زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ "بزم ادب" اور "ادیبوں کی محفل" میں اس لئے جگہ نہ پا سکے کہ وہ علم و تقویٰ کی مجالس کے بھی رکن رکین تھے۔ اور "روایتی ادیبوں" کا جامہ پہن کر نہیں آئے تھے۔

[3] لطیفہ: ۱۳۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس سفر میں بحمداللہ

نشاۃ ثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور امت کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے۔
بندہ شملہ میں والد مرحوم کے ساتھ مقیم تھا۔ جون ۱۹۴۱ء کی کوئی تاریخ تھی۔ کہ میرے بڑے بھائی
محمد اکرم صاحب اپنے دفتر کی لائبریری سے رسالہ معارف اعظم گڑھ لے کر آئے۔ زندگی میں پہلی
مرتبہ اردو کے سب سے وقیع رسالہ پر نگاہ پڑی کاغذ و طباعت کی نفاست سے نگاہوں نے
لذت پائی۔ رسالہ پڑھا۔ بار بار پڑھا۔ اتنا متاثر ہوا کہ تقریباً پورا رسالہ بیاض میں نقل کر لیا۔ رسالہ معارف
پر تو بعد میں گفتگو ہو گی۔ یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رسالہ میں پہلی مرتبہ متکلم وقت مناظر اسلام حضرت
مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون "تدوین حدیث" کی ایک قسط نظر سے گذری۔ مولانا
کی ہر بات دل میں گھر کرتی چلی گئی۔ جو مصنف کے اخلاص و صداقت کی دلیل تھی ۔

ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعویٰ باطل میں

وہ پہلا دن تھا کہ مولانا گیلانی کی تحریر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پھر ان کی ہر تحریر جہاں بھی میسر
آئی شوق و ذوق سے پڑھتا رہا۔ مولانا کا سیلان علم و ذوق افادہ اپنی تحریر میں رسمی حدود و قیود تصنیف
کا پابند نہ تھا۔ کہ بقول اقبالؒ ۔

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

حج سے قبل مدینہ طیبہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت علی میاں کی صحبتوں
سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب الطریق الی المدینہ مرتب فرما رہے تھے۔ حج کے
بعد جب جدہ پہنچا تو دل نے کہا ـــــ لیوپولڈ اسد نے الطریق الی مکہ (ROAD TO MECCA) لکھی۔
علی میاں نے الطریق الی المدینہ مرتب فرمائی۔ تم الطریق الی الجہنم یعنی الطریق الی الغرب لکھ ڈالو کہ حقیقتاً
"تہذیب مغرب" الطریق الی الجہنم ہے۔ کہ اس کی بنا و نشو و نما "شہوات" پر کلیۃً مبنی ہے اور حدیث
پاک میں وارد ہے۔ حفت النار بالشہوات (جہنم شہوات سے ڈھکی ہوتی ہے۔ یعنی جہنم میں
دخول شہوات کی بنا پر ہے) اس خیال کا آنا تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن اپنے تمام بے خدا و بے حیاء
مناظر کے ساتھ نگاہوں میں آگیا۔

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

ان کی افتادِ طبع قاری کے سامنے بیک وقت مختلف النوع علوم و مسائل، رموز و دقائق، نکات و حقائق کو پیش کرتی چلی جاتی ہے گویا ایک مخلص و شفیق معلم کی طرح اپنے علم کے بحرِ زخار سے قاری کی تشنگی کو ایک ہی بار بجھا دینا چاہتے ہیں۔ اور اسے وہ سب کو دکھا دینا چاہتے ہیں جو ان کی بصیر نگاہ کے سامنے ہے۔ اور اسے ہر وہ بات بتا دینا چاہتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں۔ اس بارے میں ان کے ہاں صبر و امساک و بخل تاخیر و حبس بھی گناہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے انکی تحریر کی سطروں میں بھی ایسے علمی نکات مل جاتے ہیں جن تک عام رسائی مشکل ہے۔ ان کی ہر بات ان کی وسعت مطالعہ، تبحر علم، دقیقہ رسی حقائق بینی، بصیرت دینی، ژرف نگاہی پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں اطناب کے بادشاہ ہیں۔ افادہ کا دریا ہر وقت متلاطم رہتا ہے اور سیل معانی اپنی روانی میں روتی بکھیرتا جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

مولانا گیلانی کی کتابوں میں النبی الخاتم، تدوین حدیث، اسلامی معاشیات، مقالات احسانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، سوانح قاسمی خاص کی کتابیں ہیں۔ مولانا گیلانی کے جو مقالات مختلف رسائل میں چھپتے رہے اگر وہ یکجا مرتب ہو جاتے تو ایک مفید علمی خدمت ہوتی۔ مولانا گیلانی طرزِ قدیم کے پروردہ اور جدید تقاضوں سے آشنا تھے، اس لئے ان کی تحریر قدیم و جدید دونوں طبقات کے لئے مفید ہے۔ بہرحال مولانا گیلانی نے جو ذخیرۂ تصانیف چھوڑا ہے وہ ملت کا قیمتی سرمایہ ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں رہ سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب | حجۃ اللہ فی الارض امنتن المحققین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغۃ، البدور البازغۃ، ازالۃ الخفاء، تفہیمات الٰہیہ، الفوز الکبیر، الخیر الکثیر، فیوض الحرمین، القول الجمیل وغیرہ ذہن و قلب کی بالیدگی کا سامان بنتی رہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن و حدیث، فقہ و کلام، تصوف و فلسفہ کے آمیزہ سے اپنی منفرد راہ نکالی ہے جس میں یہ سب علوم باہم ربط لیے ہیں۔ شاہ صاحب کے علوم سراپا موہبت و عطا و القاء ہیں جس میں کسب کو دخل کم اور واردات الٰہیہ اور توفیق ربانی کی رہنمائی زیادہ ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کا فیضان ان کی ہر تحریر سے امنڈتا دکھائی دیتا ہے۔ شاہ صاحب علوم ظاہریہ و باطنیہ اور عقلیہ سب کے شاہسوار و امام ہیں۔ اس لئے آپ نے علوم نبویہ کی توفیق ربانی سے جو تشریح بیانی ہے۔ اور جن رموز و حقائق کو کھولا

اور جن اسرار و دقائق کو فاش فرمایا ہے وہ بیک وقت دل و دماغ عقل و روح کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی کتابیں "جلوتیاں مدرسہ" اور "خلوتیاں میکدہ" دونوں کے لئے مفید اور سامان تسلی ہیں اور اقبال کے اس شعر کی مصداق ہیں ؎

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو! عشق حضور و اضطراب

علم اسرار دین ایک غامض اور ادق فن ہے جو "دانش برہانی" سے زیادہ حکمت ایمانی اور "نور عرفانی" کا محتاج ہے۔ امت میں اس فن کے ماہرین کی جو گنی چنی محدود ہستیاں گذری ہیں ان کے ائمہ میں حضرت شاہ صاحب کا نام بے تکلف لیا جا سکتا ہے۔ حکمت ولیٰھی نے شریعت کے جن غوامض کو کھولا ہے اور جیسی تشریح فرمائی ہے۔ اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب و شاذ و منفرد ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ ولیٰھی حکمت و عرفان کا شاہکار۔ ان کی مجددیت کا امتیاز۔ اور اسلام کے عظیم کتب خانہ کا کوہ نور ہے۔ اپنی طرز کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ شریعت کے اصول و فروع کے اسرار و حقیقت پر ایسی جامع حکیمانہ اور پر مغز کتاب کی نظیر شاید ہی مل سکے۔

ازالۃ الخفاء کا موضوع گو خلفائے ثلاثہ کی حمایت ہے۔ لیکن حقیقتاً خلافت اسلامیہ اور اسلامی سیاست و طرز حکومت کی حقیقت اور اس کے رموز و دقائق پر اس سے گہری کتاب فقیر کے محدود علم میں نہیں۔ کتاب میں بے شمار علمی حقائق و نکات ضمناً آ گئے ہیں۔

الفوز الکبیر اصول تفسیر پر ولیٰھی ذوق و بصیرت کا عمدہ نمونہ ہے۔ خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اس کتاب میں الاتقان (سیوطی) اور برہان (الزرکشی) سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

القول الجمیل تفہیمات الٰہیہ۔ فیوض الحرمین اور دیگر کتابوں میں بھی حکمت ولیٰھی کے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت کی تصوف پر کتابیں ہمعات سطعات وغیرہ عام اذہان کی سطح سے بلند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب اصلاً ایک عظیم محدث، قرآن کے مترجم اور صوفی ہیں۔ اس لئے اپنی کتابوں میں انہوں نے جن خاص اصطلاحات کو استعمال کیا ہے وہ سب کتاب و سنت سے مستنبط ہیں۔ شاہ صاحب کی خدمت حدیث کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اجمالاً کہا جا سکتا ہے کہ تحریری خدمات حدیث کے علاوہ اس شجر طوبیٰ کا سایہ درساً اور سنداً عالم پر محیط ہے۔

ڈاکٹر اقبال: سن شعور کی ابتدا تھی۔ فضا حکیم شاعر ڈاکٹر اقبال کے نغموں سے پر شور تھی۔ مسلمانان ہند ان کی شعلہ نوائیوں سے نئی زندگی پا رہے تھے۔ اور اسلامیان برکوچک کے درماندہ

قافلہ کے تھے ان کا پر درد کلام بانگ درا ان کی ہر صدا آواز رحیل تھی۔ بچہ بچہ کی زبان پر ان کے اشعار رواں تھے، طبیعت نے اثر لیا۔ بانگ درا کی متعدد نظمیں حافظہ میں مرتسم ہو گئیں۔ اور اقبال شعر و سخن کی عبقری شخصیت، اور اسلامی اقدار کے داعی کی حیثیت سے دل و دماغ پر چھا گیا جب ہوش و آگہی نے پر و بال نکالے تو بال جبریل اپنی پسندیدہ کتاب تھی۔ متعدد بار پڑھی۔ ہر بار دل و دماغ نے اثر لیا۔ متعدد غزلیں، ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، طارق کی دعا، ذوق و شوق وغیرہ از بر ہو گئیں۔ اسی زمانہ میں ضرب کلیم پڑھی۔[1] سن کی پختگی نے اقبال کے فارسی کلام کی طرف متوجہ کیا۔ اسرار و رموز۔ زبور عجم۔ جاوید نامہ، پیام مشرق، ارمغان حجاز، مسافر، اور پس چہ باید کرد۔ متواتر نظر سے گذرتی رہیں۔ آج بھی اقبال اپنی تازگی اور اثر انگیزی میں جوان اور دل و دماغ کی تسکین کا سامان ہے۔

اقبالؒ اول و آخر اسلامی شاعر ہے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی دین حق کا داعی اسلام کی عظمت رفتہ کا متلاشی ہے۔ اس کا قلب مضطر، اس کی فکر بلند، اس کی آرزوئیں اور تمنائیں، اس کی خلوت و انجمن کا گداز اور اس کے دیدۂ تر کی بے خوابیاں دنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور قرون اولیٰ کے نقشہ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

اقبالؒ کا کلام اسلام کی محبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق امت کے درد و فکر، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے احساس اور تجدید ملت کے جذبہ کے آمیزہ سے تیار ہوا ہے۔ جسے انکی مشرقی و مغربی علوم پر دسترس، حکمت ایمانی، دانش برہانی اور حب و شوق کی فراوانی نے جلا بخشی ہے۔ فقیر کے نزدیک اقبال کا شاعرانہ حاسۂ اسلام کے بارے میں اتنا حساس اور جذباتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہر چبھتی چیز و کھٹک ان کا "شاعرانہ تجربہ و کیفیت" (POETIC EXPERIENCE) بن کر ان کی زبان کو گوہر بار کر دیتی ہے۔

اقبال مشرق و مغرب کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ حکمت مغرب کے وہ آشنا اور ماہر نقاد ہیں ؎

فریب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں ـــ کہ اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

---

[1] تقسیم ہند سے پیشتر مسلمانوں کے تشخص اور ملی ذہن کی ساخت میں اقبالؒ کا بڑا حصہ ہے۔

[2] مکتوبات اقبال "اقبال نامہ" بھی اسی وقت نظر سے گزرا جو اقبال کے سمجھنے کے لئے مدد ثابت ہوا۔

ان کی زندگی کا کارنامہ مسلمانوں اور خصوصاً نژاد نو کو تہذیبِ حاضر کے مضر اثرات سے آگاہ اور اس کا تریاق اسلام میں بتانا ہے۔ انہوں نے مغرب کو ایک بصیر نگاہ سے جانچا اور پرکھا اور پھر پکار اٹھے ؎

مے از میخانۂ مغرب چشیدم بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

اقبال دانشِ مغرب کے محرم ہیں لیکن اس سے مسحور و متاثر نہیں ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ان کا پیام اسلام کی دعوت اور پاکانِ امت کے افکار کا چربہ ہے ؎

شنیدم آں چہ از پاکانِ امت ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

اقبال کے خیالات کی وسعت و گہرائی اسلام کے "بے حدود و بے ثغور" عالمگیر و ہمہ گیر ادبی سرمایہ کا فیض ہے۔ جسے اقبال کی بلند و حکیمانہ نگاہ نے عصرِ حاضر کے لئے اپنے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ یوں تو اقبال کے ماخذ بے شمار ہیں۔ لیکن رومی کا اثر اور چھاپ ان کے کلام پر بہت نمایاں ہے۔ جس کا اظہار وہ بار بار کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

چوں رومی در حرم دادم اذاں من ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او بہ دورِ فتنۂ عصرِ رواں من

اقبالؒ کے سمجھنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے دینی و ادبی سرمایہ کی معتد بہ واقفیت ضروری ہے۔ اس کی اپنی اصطلاحات ہیں جو اکثر اسلامی ادبی و دینی پس منظر رکھتی ہیں۔ جدید تعلیم جو ملی اور دینی تقاضوں کے پورا کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ اقبال سے استفادہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ آج اقبال اپنے ملک میں ناآشنا ہے۔ کہ "یارانِ محرم" سے محرومؒ ہے۔ بلکہ یہ بات برملا کہی جا سکتی

۱ـه طلسمِ علمِ حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیم بہ نارِ او چہ بے پروا نشستم

۲ـه میانِ اہلِ مشرق و مغرب غریبم کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش چہ معصومانہ غربت را فریبم
چہ پرسی از مقاماتِ نوایم ندیمان کم شناسند از کجایم
گذشتم رفتم خود اندر و دشت کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

ہے کہ آج اقبال مظلوم و غریب ہے کہ ہر بر خود غلط ملحدانہ نظریہ کا حامل اپنی دون فطرتی اور کم نگہی اور دین باختگی کو اقبال سے منسوب کر رہا ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے نام نہاد دعویدار اسے اپنی صفوں میں شمار کروانے کی سعی نامسعود میں مشغول ہیں۔ کاش پاکستان میں اقبال کے پیام کی صحیح ترجمانی و اشاعت ہو جاتی ۔۔۔۔۔۔

اقبالیات پہ جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اقبال کامل (مولانا عبدالسلام ندوی) روائع اقبال[1] (عربی۔ ابوالحسن علی الندوی)، فیضان اقبال (شورش کاشمیری) خوب ہیں۔ اس مختصر سرگذشت میں اقبال پر پوری گفتگو ممکن نہیں۔ چند باتیں زبان پر آگئیں جو عرض کر دیں۔

کتب فارسی | بندہ کی فارسی ابجد خوانی کی ابتدا والد مرحوم نے "کریما" سے کروائی۔ پھر بوستان و گلستان کی باد و باس مشام روح کی عطر بیزی کا سبب بنی ۔۔۔ کریما گلستان بوستان تو ہمارے قدیم ۔۔ (آہ مرحوم) دبستان اخلاق کی بہار تھی۔ فارسی شرفا کے گھرانوں سے کیا اٹھی۔ ہماری قدیم قدروں اور روایات کا خاتمہ ہو گیا۔ فارسی عربی کے بعد ہمارے قدیم ثقافتی ورثہ کی امین تھی۔ تصوف میں فارسی شاعری کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر سے لے کر خاتم الشعراء جامی تک فارسی اشعار میں جو کچھ کہا گیا ہے دیگر زبانوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ ہمارے اپنے اقبال سے استفادہ بغیر فارسی کے ناممکن ہے۔

جدید نظام تعلیم میں عربی و فارسی کے غیاب کے بعد کاش ہم نجی طور پر اپنے اس علمی سرمایہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

فارسی نظم میں مرشد رومی کی مثنوی معنوی دل و روح پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ہے

مرشد رومی حکیم پاک زاد   سر مرگ و زندگی بر ما کشاد

مثنوی کے ضخیم دفاتر صدیوں سے معارف و حقائق کے امین ہیں۔ رومی نے اپنی پر سوز نے سے "حکمت ایمانیاں" کا جو صور پھونکا ہے۔ وہ رہتی دنیا تک قلب و روح کو حیات نو بخشتا رہے گا۔ مثنوی دبستان تصوف کا محض صحیفہ نہیں بلکہ حقائق دینی، حکمت و فرزانگی، رموز زندگی کی نقاب کشا کتاب ہے۔ رومی و مثنوی پر فارسی و ۔۔۔۔۔ اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بحرالعلوم کی دقیق و لبسیط اور مفید شرح سے لے کر "الہام منظوم" تک روحانیت پر اچھا خاصہ کام ہو چکا ہے۔ تاہم عصر حاضر کو رومی سے روشناس کرانے کی ضرورت[2] ہے۔

---

[1] اس کا ترجمہ نقوش اقبال کے نام سے اردو میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

[2] فقیر کی ایک تقریر "رومی کا پیام عصر حاضر کے نام" سے شائع ہو چکی ہے۔

عصرِ حاضر کے سب سے بڑے حکیم شاعر اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتد در کوئے دوست

مثنوی پر مثنوی معنوی کا وہ ایڈیشن جسے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے بڑے اہتمام سے شائع کرایا تھا، خاصہ کی چیز ہے۔ حسین طباعت کے ساتھ حواشی کی معنویت و خوبی "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مصداق ہے۔ شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی کلید مثنوی فن کے لحاظ سے اردو میں شاہکار ہے۔ مفتاح العلوم بھی خوب ہے۔ تلمذ حسین کی مرأۃ المثنوی مضامین مثنوی کا لاجواب آئینہ اور مصنف کی کاوش کا کامیاب نشان ہے۔ تلمذ حسین صاحب کی کتاب "صاحب المثنوی" "رومیات" میں اچھا اضافہ اور محققانہ کتاب ہے۔ شبلی کی سوانح مولانا روم کی افادیت ہنوز مسلّم ہے۔ رومی کے علاوہ حافظ و سعدی، خسرو و عراقی وغیرہ کی غزلیات۔ سنائی و عطار کا کلام حسن دہلوی و جامی وغیرہ کی نعتیں۔ ابوسعید ابوالخیر و خیام کی رباعیات اس کور ذوق کی تشنگی شوق کو مہیز کرتی رہیں۔ شاہنامہ فردوسی، سکندر نامہ نظامی۔ گلشن راز شبستری۔ قصائد خاقانی و قاآنی۔ غرض قند پارسی کام و دہن کی شیرینی کا سامان رہی ؎

گہے شعر عراقی را بخوانم گہے جامی زند آتش بجانم

آج نیا زمانہ ہے، نئے اشغال ہیں۔ نئی اقدار ہیں۔ ہماری محفل دوشین کے چراغوں کے پروانے آج کہاں میسر آسکتے ہیں۔ نہ وہ دل رہے نہ وہ دماغ نہ وہ طبیعتیں رہیں نہ وہ مزاج۔ آج کسے کہا جائے کہ دل کی بہار قلب کا سوز و گداز انہیں کی نواؤں سے تھا۔ نژاد نو کو کون بتائے کہ عربی و فارسی کو کھو کر اور مغرب کو اپنا کر ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس ژولیدہ بیان کی ہرزہ سرائی بہت طویل ہو گئی۔ بہت کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ گیا "ناگفتنی" گفتنی بن کر بھی ناگفتنی رہی۔ تاہم اختتام سے پیشتر شیخین ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ اور ابن جوزی کی کتابوں سے استفادہ کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگا۔ اپنی بے حاصل زندگی میں جو کچھ پڑھا لکھا یا سنا اس کا استقصار مقصود نہیں۔ مدعا یہ تھا کہ شاید یہ تحریر کسی خوش بخت کے لئے مفید علم و محرک عمل بن جائے اور فقیر کے لئے دلالت علی الخیر کی بشارت نجات کا سبب بن سکے۔ ورنہ یہ تباہ زعمر میں کی ورق گردانی کے باوجود علمی اعتبار سے تہی ہے۔ چہ پایہ برد کہ آسیہ تیز۔ اور حقیقت اسی کے رخ سے

ہمہ عمر بتو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما چہ قیامتے کہ نمی رسی زکنار ما بکنار ما

کا مصداق ہے۔

جناب وحید الدین خاں صاحب

کائنات

خدا کی گواہی دیتی ہے

——— ذرہ ذرہ میں حیرت انگیز نظم اور حکمت و معنویت کا مظاہرہ

بیسویں صدی کے آغاز میں جب کہ امریکہ میں انڈوتھیا (ERDOTHIA) نام کی بیماری شاہ بلوط کے درختوں پر حملہ آور ہوئی اور تیزی سے پھیلی تو بہت سے لوگوں نے جنگل کی چھتری میں شگاف دیکھ کر کہا "یہ شگاف اب پُر نہیں ہوں گے۔" امریکی شاہ بلوط کی بالادستی کو ابھی تک کسی اور قسم کے اشجار نے نہیں چھینا تھا۔ اونچے درجے کی دیر پا عمارتی لکڑی اور اس طرح کے دوسرے فوائد اس کے لئے خاص تھے۔ یہاں تک کہ سنہ [illegible] میں ایشیا سے انڈوتھیا نام کی بیماری کا ورود ہوا، اس وقت تک یہ جنگلات کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب جنگلات میں یہ درخت تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔

لیکن جنگلات کے یہ شگاف جلد ہی پُر ہو گئے۔ کچھ دوسرے درخت (TULIP TREES) اپنی نشو و نما کے لئے شاید انہیں شگافوں کا انتظار کر رہے تھے۔ شگاف پیدا ہونے سے پہلے تک یہ درخت جنگلات کا معمولی جزو تھے اور شاذ ہی بڑھتے اور پھولتے تھے۔ لیکن اب شاہ بلوط کی عدم موجودگی کا کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب دوسری قسم کے درخت پوری طرح ان کی جگہ لے چکے ہیں۔ یہ درخت سال بھر میں ایک انچ محیط میں اور چھ فٹ لمبائی میں بڑھتے ہیں۔ اتنی تیزی کے ساتھ بڑھنے کے علاوہ، بہترین لکڑی جو بالخصوص باریک تہوں کے کام آسکتی ہے، ان سے حاصل کی جاتی ہے۔

اسی صدی کا واقعہ ہے ناگ پھنی کی ایک قسم آسٹریلیا میں کھیتوں کی باڑھ قائم کرنے کے لئے بوئی گئی۔ آسٹریلیا میں اس ناگ پھنی کا کوئی دشمن کیڑا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ بہت تیزی سے بڑھنا شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ انگلینڈ کے برابر رقبہ پر چھا گئی۔ وہ شہروں اور دیہاتوں میں آبادی کے اندر گھس گئی، کھیتوں کو ویران کر دیا اور زراعت کو ناممکن بنا دیا۔ کوئی تدبیر بھی اس کے خلاف کارگر ثابت نہیں ہوتی تھی۔ ناگ پھنی آسٹریلیا کے اوپر ایک ایسی فوج کی طرح مسلط تھی جس کا اس کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا، بالآخر ماہرین حشرات الارض

دنیا بھر میں اس کا علاج تلاش کرنے کے لئے نکلے، یہاں تک کہ ان کی رسائی ایک کیڑے تک ہوئی جو صرف ناگ پھنی کھاکر زندہ رہتا تھا۔ اس کے سوا اس کی کوئی خوراک نہیں تھی۔ وہ بہت تیزی سے اپنی نسل بڑھاتا تھا۔ اور آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ اسی کیڑے نے آسٹریلیا میں ناگ پھنی کی ناقابل تسخیر فوج پر قابو پالیا اور اب وہاں سے اس مصیبت کا خاتمہ ہوگیا۔

قدرت کے نظام میں یہ ضبط و توازن (CHECKS AND BALANCES) کی عظیم تدبیریں کیا کسی شعوری منصوبہ کے بغیر خود بخود وجود میں آجاتی ہیں۔

کائنات میں حیرت انگیز طور پر ریاضیاتی قطعیت پائی جاتی ہے۔ یہ مادہ بے شعور مادہ جو ہمارے سامنے ہے، اس کا عمل غیر منظم اور بے ترتیب نہیں بلکہ وہ متعین قوانین کا پابند ہے۔ "پانی" کا لفظ خواہ دنیا کے جس خطہ میں اور جس وقت بھی بولا جائے اس کا ایک ہی مطلب ہوگا ـــ ایک ایسا مرکب جس میں ۱۱ء۱۱ فیصد ہائیڈروجن اور ۸۸ء۹ فیصد آکسیجن، ایک سائنس داں جب تجربہ گاہ میں داخل ہوکر پانی سے بھرے ہوئے ایک پیالے کو گرم کرتا ہے تو وہ تھرمامیٹر کے بغیر یہ بتا سکتا ہے کہ پانی کا نقطۂ جوش ۱۰۰ درجہ سنٹی گریڈ ہے۔ جب تک ہوا کا دباؤ (ATMOSPHERIC PRESSURE) ۷۶۰ ایم ایم رہے۔ اگر ہوا کا دباؤ اس سے کم ہو تو اس حالت کو وجود میں لانے کے لئے کم طاقت درکار ہوگی جو پانی کے سالمات کو توڑ کر بخارات کی شکل دیتی ہے۔ اس طرح نقطۂ جوش سو درجہ سے کم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر ہوا کا دباؤ ۷۶۰ ایم ایم سے زیادہ ہو تو نقطۂ جوش بھی اسی لحاظ سے زیادہ ہو جائے گا۔ یہ تجربہ اتنی بار آزمایا گیا ہے کہ اس کو یقینی طور پر پہلے سے بتایا جا سکتا ہے کہ پانی کا نقطۂ جوش کیا ہے۔ اگر مادہ اور توانائی کے عمل میں یہ نظم اور ضابطہ نہ ہوتا تو سائنسی تحقیقات اور ایجادات کے لئے کوئی بنیاد نہ ہوتی۔ کیونکہ پھر اس دنیا میں محض اتفاقات کی حکمرانی ہوتی اور علمائے طبیعیات کے لئے یہ بتانا ممکن نہ رہتا کہ فلاں حالت میں فلاں طریقِ عمل کے دہرانے سے فلاں نتیجہ پیدا ہوگا۔

کیمیا کے میدان میں نو وارد طالب علم سب سے پہلے جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ عناصر میں نظم اور دوریت ہے۔ سو سال پہلے ایک ایک روسی ماہر کیمیا منڈلیف (MENDELEEV) نے جوہری قدر کے لحاظ سے مختلف کیمیائی عناصر کو ترتیب دیا تھا جس کو دوری نقشہ (PERIODIC CHART) کہا جاتا ہے۔ اس وقت تک موجودہ تمام عناصر دریافت نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس کے نقشہ میں بہت سے عناصر کے خانے خالی تھے جو عین اندازے کے مطابق بعد کو پر ہو گئے۔ ان نقشوں میں سادے عناصر جوہری نمبروں کے تحت اپنے اپنے مخصوص گروپوں میں درج کئے جاتے ہیں۔

جوہری نمبر سے مراد مثبت برقیوں (PROTONS) کی وہ تعداد ہے جو ایٹم کے مرکز میں موجود ہوتی ہے یہی تعداد ایک عنصر کے ایٹم اور دوسرے عنصر کے ایٹم میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ ہائیڈروجن جو سب سے سادہ عنصر ہے۔ اس کے ایٹم کے مرکز میں ایک پروٹون ہوتا ہے۔ ہیلیم میں دو اور لیتھیم میں تین۔ مختلف عناصر کی بدل بدل تیار کرنا اسی لئے ممکن ہو سکا ہے کہ ان میں حیرت انگیز طور پر ایک ریاضیاتی اصول کار فرما ہے۔ نظم و ترتیب کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ عنصر نمبر ۱۰۱ کی شناخت محض اس کے ۱۰۱ پروٹونوں کے مطالعہ سے کر لی گئی۔ قدرت کی اس حیرت انگیز تنظیم کو ہم دوری اتفاق (PERIODIC CHANCE) نہیں کہتے، بلکہ اس کو دوری ضابطہ (PERIODIC LAW) کہتے ہیں۔ مگر نقشہ اور ضابطہ جو یقینی طور پر ناظم اور منصوبہ ساز کا تقاضا کرتے ہیں، اس کا انکار کر دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنس اگر خدا کو نہ مانے تو وہ خود اپنی تحقیق کے ایک لازمی نتیجہ کا انکار کرے گی۔

"۱۱ اگست ۱۹۹۹ء میں ایک سورج گرہن واقع ہوگا جو کارنوال (CORNWALL) میں مکمل طور پر دیکھا جا سکے گا" یہ محض ایک قیاسی پیش گوئی نہیں ہے بلکہ علمائے فلکیات یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی کے موجودہ گردشی نظام کے تحت اس گہن کا پیش آنا یقینی ہے۔ جب ہم آسمان میں نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہم لاتعداد ستاروں کو ایک نظام میں منسلک دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں ان گنت صدیوں سے اس فضائے بسیط میں جو عظیم گیندیں معلق ہیں، وہ ایک ہی متعین راستے پر گردش کرتی چلی جا رہی ہیں۔ وہ اپنے مداروں میں اس نظم کے ساتھ آتی اور جاتی ہیں، کہ ان کے بعض وقوع اور ان کے درمیان ہونے والے واقعات کا صدیوں پیشتر بالکل صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پانی کے ایک حقیر قطرے سے لیکر فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے دور دراز ستاروں تک ایک عدیم المثال نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ ان کے عمل میں اس حد تک یکسانیت ہے کہ ہم اس بنیاد پر قوانین مرتب کرتے ہیں۔

نیوٹن کا نظریہ کشش فلکیاتی کروں کی گردش کی توجیہ کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں (A. C. ADAMS) اور لاویرے (U. LEVERRIER) کو وہ بنیاد ملی جس سے وہ دیکھے بغیر ایک ایسے سیارے کے وجود کی پیشین گوئی کر سکیں جو اس وقت تک نامعلوم تھا۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۴۶ء کی ایک رات کو جب برلن آبزرویٹری کی دوربین کا رخ آسمان میں ان کے بتائے ہوئے مقام کی طرف کیا گیا تو فی الواقع نظر آیا کہ ایسا ایک سیارہ نظام شمسی میں موجود ہے جس کو ہم اب نیپچون (NEPTUNE) کے نام سے جانتے ہیں۔

کس قدر ناقابل قیاس بات ہے کہ کائنات میں یہ ریاضیاتی قطعیت خود بخود قائم ہو گئی ہو۔
____ کائنات کی حکمت و معنویت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے اندر ایسے امکانات رکھے گئے ہیں کہ انسان بوقت ضرورت تصرف کر کے اس کو اپنے لئے استعمال کر سکے۔ مثال کے طور پر نائٹروجن کے مسئلہ کو لیجئے۔ ہوا کے ہر جھونکے میں نائٹروجن ۷۸ فیصد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کیمیائی اجزاء ہیں جن میں نائٹروجن شامل ہوتا ہے۔ ان کو ہم مرکب نائٹروجن کہہ سکتے ہیں۔ یہی وہ نائٹروجن ہے جس کو پودے استعمال کرتے ہیں اور یہی ہے ہماری غذا کا نائٹروجنی حصہ تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان اور جانور بھوکوں مرجائیں۔

صرف دو طریقے ہیں جن سے قابل تحلیل نائٹروجن مٹی میں مل کر کھاد بنتا ہے۔ اگر یہ نائٹروجن مٹی میں شامل نہ ہو تو کوئی بھی غذائی پودا نہ اگے۔ ایک طریقہ جس سے یہ نائٹروجن مٹی میں شامل ہوتا ہے وہ مخصوص بیکٹیریائی عمل ہے۔ یہ بیکٹیریا دالوں والے پودوں کی جڑوں میں رہتے ہیں اور ہوا سے نائٹروجن لے کر اس کو مرکب نائٹروجن کی شکل دیتے رہتے ہیں۔ پودا جب سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے تو اس مرکب نائٹروجن کا کچھ حصہ زمین میں رہ جاتا ہے۔

دوسرا ذریعہ جس سے مٹی کو نائٹروجن ملتا ہے وہ بجلی کا کڑاکا ہے۔ ہر بار جب بجلی کی رو فضا میں گزرتی ہے تو وہ تھوڑے سے آکسیجن کو نائٹروجن کے ساتھ مرکب کر دیتی ہے جو کہ بارش کے ذریعہ ہمارے کھیتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح سے جو نائٹریٹ نائٹروجن آسانی سے مل جاتا ہے، اس کا اندازہ سالانہ ایک ایکڑ زمین میں پانچ پونڈ ہے جو کہ تیس پونڈ سوڈیم نائٹریٹ کے برابر ہے۔[1]

یہ دونوں طریقے بہرحال ناکافی تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کھیت جن میں عرصہ دراز تک کھیتی ہوتی رہتی ہے، ان کا نائٹروجن ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے کاشتکار فصلوں کا الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایک ایسے مرحلے میں جبکہ اضافہ آبادی اور کثرت کاشت کی وجہ سے مرکب نائٹروجن کی کمی محسوس کی جانے لگی تھی اور انسان کو مستقبل میں قحط کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اور یہ صرف اس صدی کے آغاز کی بات ہے کہ عین اس وقت وہ طریقہ دریافت ہو گیا جس سے ہوا کے ذریعہ مصنوعی طور پر مرکب نائٹروجن بنایا جا سکتا ہے۔ مرکب نائٹروجن بنانے کے لئے جو کوششیں کی گئیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ فضا میں مصنوعی طور پر بجلی کا کڑکا پیدا کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرا میں بجلی

---

۱. LYON, BUCKMAN, AND BRADY,
THE NATURE AND PROPERTIES OF SOILS.

کی چمک پیدا کرنے کے لئے تقریباً تین لاکھ ہارس پاور کی قوت استعمال کی گئی۔ اور جیسا کہ پہلے سے اندازہ کیا جا چکا تھا، ایک قلیل مقدار نائٹروجن کی تیار ہوگئی۔ مگر اب انسان کی خداداد عقل نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور انسانی تاریخ کے دس ہزار سال بعد ایسے طریقے معلوم کر لئے گئے ہیں جن سے وہ اس گیس کو کھاد میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس کے بعد انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ اپنی غذا کے اس لازمی جزو کو تیار کر سکے جس کے بغیر وہ بھوکوں مر جاتا۔ یہ نہایت عجیب "حسن اتفاق" ہے۔ کہ زمین کی تاریخ میں پہلی بار عین وقت پر انسان نے قلت خوراک کا حل دریافت کر لیا۔ یہ المیہ ٹھیک اسی وقت رفع ہو گیا جب کہ اس کے واقع ہونے کا امکان تھا۔

کائنات میں اس طرح کی حکمت و معنویت کے بیشمار پہلو ہیں۔ ہماری تمام سائنسوں نے ہم کو صرف یہ بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے معلوم کیا ہے، اس سے بہت زیادہ ہے وہ چیز جس کو معلوم کرنا ابھی باقی ہے تاہم جو کچھ انسان معلوم کر چکا ہے، وہ بھی اتنا زیادہ ہے کہ اس کے صرف عنوانات کی فہرست دینے کے لئے موجودہ کتاب سے بہت زیادہ ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی اور پھر بھی کچھ عنوانات بچ رہیں گے۔ انسان کی زبان سے آلاء رب اور آیات الٰہی کا ہر اظہار ناقص اظہار ہے، اس کی جتنی بھی تفصیل کی جائے، جہاں زبان قلم رکیں گے وہاں یہ احساس ضرور موجود ہوگا کہ ہم نے "بیان" نہیں کیا بلکہ اس کی "تحدید" کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سارے علوم منکشف ہو جائیں اور اس کے بعد سارے انسان اس طرح لکھنے بیٹھ جائیں کہ دنیا کے تمام وسائل ان کے لئے مساعد ہوں، جب بھی کائنات کی حکمتوں کا بیان مکمل نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْ اَنَّمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ
شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ	سمندروں کے ساتھ سات اور سمندر ان کی سیاہی
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ	کا کام دیں، جب بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔
مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ	...

... (لقمان - ۲۷)

جس نے بھی کائنات کا کچھ مطالعہ کیا ہے، وہ بلاشبہ اعتراف کرے گا کہ کتاب الٰہی کے ان الفاظ میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ وہ صرف ایک موجود حقیقت کا سادہ سا اظہار ہے۔

مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدرسہ نجم المدارس کلاچی

امیر جمعیۃ العلماء اسلام سرحد

حضرت مولانا

سید گل بادشاہ

ہمت، جرأت اور اخلاص کا پیکر چلا گیا

حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب المتوفی ۱۳۹۳ھ عمر میں اپنے اقران سے زیادہ بڑے نہیں تھے دورۂ حدیث شریف ہم نے اکٹھا پڑھا تھا، مگر جرأت رندانہ، ہمت مردانہ اور تمام رفقاء کے ساتھ تعلقات مخلصانہ نے انہیں بہت بڑا آدمی بنا دیا تھا۔

ہمت و پُردلی و پختہ مزاجی اخلاق ۔۔۔ شیوۂ اہل کمال است کہ مرداں دارند

ہم سب ساتھی انہیں مخدوم مدظلہ اور اس قسم کے القاب سے خطاب کرنے پر مجبور تھے دیوانِ عشق کے ہم سبق ہونے کے باوجود یہی خصوصیات تھیں جن کے باعث سید صاحب مدت العمر علماء سرحد کے امیر منتخب ہوتے رہے اور سرحد میں بادشاہ کا تو کیا ذکر شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ اور خصوصی فیض یافتگان کی موجودگی میں بھی سید صاحب حضرت کے معتمد خاص اور منظورِ نظر رہے۔ فہنیئاً لہ ثم ہنیئاً۔ ؎

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز ۔۔۔ ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

اچھی طرح یاد ہے کہ جب شیخ العرب والعجم قدس سرہٗ ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں جمعیت علماء ہند کے نمائندہ کو کامیاب کرانے کے سلسلہ میں کلاچی تشریف لائے اور کسی نے حضرت سے پروگرام کے سلسلہ میں دریافت کیا تو حضرت نے سید صاحب موصوف کو اشارہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص عربی لہجہ کے ساتھ یہ شعر پڑھ کر جواب دیا کہ

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

سید صاحب سے پوچھئے مجھے کیا معلوم کہ کہاں کہاں جانا ہے۔

حضرت اقدسؒ نے جسے دوست کہہ کر پکارا ہو آپ جانتے ہیں۔ آستانہ مدنی کے خدام میں

اس کا مقام کتنا اونچا ہو سکتا ہے ؎

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدار انند خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

اسی سلسلہ میں حضرت ؒ کا ایک اور ملفوظ بھی ذکر کر دوں جس کا سید صاحب ہی سے تعلق ہے۔ یہ ہماری سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ حضرت رات گئے کراچی پہنچے تھے لیکن علی الصبح مسجد میں تشریف لائے اور بعد معمولات کے باوجود بھی نماز کے بعد کتب خانہ نجم المعارف میں ایک گھنٹہ تک تخلیہ فرمایا۔ اور اس کے بعد اس حجرہ میں بیعت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ لوگوں کا بیحد اژدھام ہوا احقر نے چائے پیش کرنے کی گذارش کی تو قبول فرمایا۔ کثرتِ ہجوم سے اس کے آنے میں دیر ہونے لگی تو سید صاحب نے فرمایا حضرت پروگرام بیحد طویل ہے۔ پشاور تک پہنچنا ہے، عجلت سے کام لیا جاوے حضرت نے فرمایا "اور یہ قاسمی صاحب نہیں چھوڑتے کہتے ہیں چائے پئیں گے۔" سید صاحب نے کہا حضرت ہیں سے چائے واپس کر دی تاکہ وقت بچ سکے۔ کچھ مٹھائی وغیرہ حضرت تک پہنچائی گئی تھی جو چائے کے ساتھ ہی تناول فرماتے۔ حضرت نے فرمایا اچھا تو آجائے اسی کو تھوڑا سا کھالیں۔ (خدام کی دلجوئی ہی مقصود تھی) فرحمہ اللہ من شیخ مشفق سید صاحب نے وقت بچانے کے لئے کہا حضرت اس کو ساتھ جائے قیام پر اٹھا کر لے جائیں گے۔ تو استاد العرب والعجم فقیہ العصر نے فرمایا:

سید صاحب یہ تملیک تھوڑا ہے کہ اٹھا کر لے جاویں گے۔ یہ تو اباحت ہے، کھانا ہو تو یہیں کھالو۔

آہ اب سائل اور مجیب دونوں کو آنکھیں ترستی ہیں۔ ؏

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

اب یہ پاکیزہ مجلسیں وہیں ملیں گی جہاں وہ پہلے پہنچ گئے۔ اور ؏ باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔ اللھم احشرنا فی زمرۃ الصالحین۔ اسی سلسلہ کا ایک اور روح افزا واقعہ بھی سناتا جاؤں تاکہ مضمون صرف تأثراتی ہی نہ رہے۔ اور وہ یہ کہ عرصہ بعد شیخ التفسیر حضرت لاہوری ؒ پہلی بار بہت ہی مختصر دقعہ کے لئے کراچی تشریف لائے گھنٹہ دو سے زیادہ کا وقت نہیں تھا۔ میں چاہتا تھا حضرت مدرسہ نجم المدارس مسجد اور حجرہ کتب خانہ نجم المعارف سب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے جائیں کیونکہ اللہ والے جہاں سے گزرتے ہیں وہیں ؏ ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے چنانچہ مدرسہ نجم المدارس میں آپ کو وضو کرایا گیا، چائے نوش فرمائی اور مسجد میں جلسہ ہوا نماز

عصر پڑھی اور فراغت کے بعد کتب خانہ نجم المعارف کے پاس سے گذرتے ہوئے احقر نے عرض کیا: جناب والا! حضرت مدنی جب یہاں کلاچی تشریف لائے تھے تو اس کمرہ میں تخلیہ فرماکر بیعت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا، بے اختیار بولے کہاں احقر نے دروازہ میں کھڑے ہو کر اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں حضرت بیٹھے تھے پھر میں نہیں جانتا حضرت نے کیا دیکھا، بے اختیار ہو کر جلدی جلدی جوتے اتارے اس جگہ جا بیٹھے اور بیٹھتے ہی فوراً ہاتھ اٹھائے اور نہ معلوم خدا سے کیا کیا مانگتے رہے۔ پھر اس ہی جگہ بیعت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا۔

نہیں معلوم اب تک بھی اسی جگہ پہ ع۔ ہنوز از در و بام شراب می ریزد، کا مضمون صادق آرہا ہے۔ یہ کوئی آنکھوں والا ہی بتا سکے گا یا ہماری بداعمالیوں سے خسرتہ خطایا بنی آدم کے تحت پناہ بخدا وہ اثرات باقی نہیں رہے۔

بہرحال سید صاحب پر خوب خوب لکھا جانا چاہیئے۔ ان کی زندگی خوب گذری لیکن یہ میری بس کی بات نہیں آپ (مدیر الحق) کو شاید یہ مغالطہ ہوا کہ مجھے آپ کی زندگی کے حالات تفصیل سے معلوم ہوں گے۔ اور اس لئے میری قلمی خامی کو برداشت کرتے ہوئے سید صاحب پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی مگر واقعہ یہ نہیں ہے مجھے آپ سے ملنے اور آپ کے ساتھ رہنے کے بہت تھوڑے سے مواقع ملے یہ کام کسی سے ضرور کرائیے۔ موصوف کی زندگی اخلاف کے لئے نہیں اقران کے لئے بھی مشعل راہ بنے گی۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مرحوم رزم و بزم دونوں کی زینت تھے۔ پیارے آدمی تھے اور انہوں نے اندرونی ربط سے ہی مدت العمر جماعتی ضبط کو قائم رکھا۔ موصوف جہاں پہنچ گئے، وہاں کے علماء اور طلباء سے گھل مل گئے۔ جماعتی رفقاء سے اتنا ربط بڑھایا کہ ان کے بال بچوں کے نام پوچھے۔ پھر ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ خیریت دریافت کی اور کمال یہ کہ مدت العمر ہر اسے بھولے نہیں گاہ وبیگاہ جب بھی کوئی خط لکھا تو عموماً سب بچوں کا نام بنام سلام لکھے خیریت پوچھی غم اور شادی ہر موقعہ پر احباب سے ربط قائم رکھا۔ عید مبارک میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے رہے اور ایک ایک بات میں جماعتی پروگرام کی طرف اشارے کرتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ایک دفعہ کسی موقعہ پر جب اخلاقاً مجھے پیش قدمی کرنی چاہیئے تھی۔ شاید جیل سے رہائی کے بعد کا قصہ ہے۔ بے مروتی کی یا اظہار مروت میں تاخیر کی تو آپ کی جانب سے یاد دہانی پہنچ گئی میں نے دل سے اپنی غلطی تسلیم کی اور انہیں لکھا کہ مجھ سے کوتاہی ہوئی اور جیسا کہ چاہیئے تھا فضل تقدم کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ونعم ماقیل ؎

ان الشجاعة والمروءة والندى ۔۔۔ فی قبة ضربت علیٰ ابن الحشرج

چنانچہ آپ نے میری معذرت قبول کی اور اس تاخیر وغیرہ کا اپنے دل میں کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیا۔ البتہ یہ بات ضرور تھی کہ اگر کوئی ساتھ بار بار ان کی توجہ کے باوجود لاپرواہی سے پیش آتا تو وان استغنی عنہ اغنی لنفسہ اوکما قال صلی اللہ تعالیٰ والہ وسلم۔ کے عین مطابق اس سے استغنا بھی برتتے تھے۔ بالخصوص اگر وہ علماء میں بھی نہ ہوتا پھر چاہے جتنا بڑا آدمی ہوتا اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور تکمیلِ آدمیت کے لئے اس پہلو کا ہونا یقیناً ضروری تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اپنے نظریات کی نہ صرف قولی بلکہ عملی تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے ایک دفعہ غالباً خود ہی یہ قصہ سنایا کہ ایک بڑے مجمع میں سرحد کے ایک اور بڑے لیڈر موجود تھے فرماتے ہیں وہ علماء پر تنقید کرتے رہے کہ یہ لوگ طلباء اور اپنے معتقدین اور معتقدین سے خدمتیں لیا کرتے ہیں۔ فرمایا میں اٹھا اور اگر اپنے عام معمول کے برخلاف قصداً میں نے ساتھی سے کہا بھائی آؤ میرے جوتے اٹھا کر لاؤ اسے موقعہ ملا یا میں نے قصداً اسے موقعہ دیا۔ اس نے جھٹ کہا دیکھیے مولوی گل بادشاہ ساتھی سے ہی جوتے اٹھوا رہے ہیں میں نے کہا جناب والا تنظیم کی بنیاد اطاعت امیر پر ہے۔ اسلام نے بھی اس پر زور دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ نوجوانوں میں اطاعت امیر کا جذبہ پیدا کریں اور اس لئے آپ کی باتیں سن کر قصداً میں نے ایسا کیا تاکہ آپ کو اس کا فائدہ بتلا سکوں۔

سرحد میں وہ اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ پشتو زبان میں خط لکھا کرتے تھے۔ وہ پنجابیوں کو اسے پٹھانستان کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔ بہرحال سید صاحب تھے اور سیادت قوم کے طور و طریق بڑی حد تک اپنا گئے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ یہ ہمت اور استقلال ہی کی بات تھی کہ سات سال تک قیوم خانی جیل میں کاٹے مگر ذرا بھی نہیں جھکے اور نہ ہی واپسی پر قوم سے اس کا کوئی صلہ مانگا جزاہ اللہ اجراً حسناً۔

سرحد میں جمعیت کی کامیابی آپ ہی کی ہمت مردانہ کا دوسرا نام ہے۔ قومی اسمبلی میں سرحد سے اسلام کیلئے جتنی آوازیں اٹھیں اس کے اجر میں یقیناً مولانا گل بادشاہ برابر کے شریک ہیں سرحد کا شاید کوئی خطہ ایسا ہو جہاں مولانا مرحوم نہ پہنچے ہوں۔ اور آپ نے وہاں اپنی آواز نہ پہنچائی ہو۔ پھر پنجاب پہنچے شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو جہاں کے لوگوں نے کورد سرگرد آپ کو نہ بلایا ہو۔ سیاسی اور اسلامی ہر قسم کی تقریر موثر اور دلنشیں ہوتی تھی۔ زبان پر ستی کے اس دور میں ان کی تقریریں پنجاب میں بھی دلچسپی سے سنی جاتی رہیں۔

تصلب کا یہ عالم تھا کہ ٹھیٹ سیاسی ہونے کے باوجود بھی تسبیح بڑی مسواک ہاتھ میں رکھتے تھے۔

۱۔ حالانکہ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ اپنی مادری زبان میں دینی کتابیں چھپ گئیں تو پٹھان عورتوں تک دین پہنچنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

اور اپنے سیاسی ماحول میں رہتے ہوئے بھی یہ تاثر دینا ضروری سمجھتے تھے۔ کہ ان سنن کو باقی رکھنا ہمارے پروگرام کا جزو ہے۔ غالباً مشرقی ہی کو گیارہ سوالات کا انٹرویو دیتے ہوئے بھی جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ لمبی تسبیح ہاتھ میں لٹکائے ہوئے تھے۔ سوالات کے جوابات نہایت سنجیدہ اور سیاسی مگر شکل و شباہت ایک صوفی اور متقشف عالم دین کی۔

سیاست کے جھول میں جبکہ سیاسی پلیٹ فارم پہ ناقابل برداشت لوگوں کو بھی برداشت کر جاتے تھے۔ لیکن مذہبی تصلب کے ماتحت دار العلوم حقانیہ میں مولوی محمد یوسف مودودی کے وجود تک کو اتنا ناگوار سمجھا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم جیسی دینی اور مذہبی شخصیت سے بھی الجھ پڑے تھے۔ سیاسی جماعت کی امارت کو سنبھالنے کے باوجود سرحد میں فتنۂ اعتزال کی مخالفت آپ کا مستقل پروگرام تھا۔ پنج پیریوں کے تعاقب میں بلوچستان تک جا پہنچے۔

قائد میں جرأت نہ ہو تو قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس جوہر سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس ایک ہی واقعہ سے آپ کی جرأت کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ اس آخری الیکشن میں ڈیرہ اسماعیل خان کے حلقہ قومی اسمبلی کیلئے چند دن راقم الحروف اور مولانا مرحوم اکٹھے رہے ہم ایک ایسے علاقہ میں گئے جہاں مخالفت کا زیادہ خطرہ تھا اور ایسا ہی واقع ہوا اس علاقہ کے دو چار مقامات پر ہم کو سنت کے عین مطابق سنگ باری کی زد اٹھانی پڑی اسی میں ہم ایک ایسی بستی میں ایک دن ظہر کے وقت پہنچے جہاں وڈیروں نے لوگوں کو کہہ رکھا تھا کہ ان مولویوں سے کچھ بھی تعاون نہیں کرنا ہے۔ چائے پانی تک سے تواضع ممنوع قرار دی گئی تھی۔ جیپ ہماری خراب ہو گئی تھی وہ ہم چھوڑ کر آگے چلے گئے تھے اس بستی میں ہم اونٹ پر سوار ہو کر پہنچ رہے تھے۔ لوگوں نے ہمارے جاتے ہوئے کچھ اپنے تاثرات کا اظہار کیا علیک سلیک جیسا کہ پٹھانوں کی توقع تھی نہیں کی ہم نے اندازہ لگایا کہ افواہ غلط نہیں ہے۔ حسب پروگرام مسجد میں گئے باہر دوسری بستی سے آئے ہوئے کچھ لوگوں نے چائے وغیرہ سے ضیافت کی۔ جلسہ شروع ہونے سے پہلے وہاں کے ایک وڈیرہ نے بات چیت کی سید صاحب اور قضاۃ کلاچی کی دل کھول کر تعریف کی بہ الفاظ دیگر ہمیں ذہنی رشوت دینی چاہی اور اس میں کہا کہ لیکن تم ووٹ اس شخص کیلئے مانگ رہے ہو جس نے صدر ایوب سے لاکھ روپیہ لے کر ووٹ بیچا۔ سید صاحب نے کہا کون کہتا ہے۔ اس نے اپنے سے ایک بڑے کا نام لیکر کہا یہ تو فلاں صاحب نے خود مجھے کہا ہے گویا اس وڈیرہ کا نام ہی مکمل سند تھی اس سب علاقہ کیلئے سید صاحب نے بڑی قوت سے کہا وہ جھوٹ بولتا ہے اس کے کان اس بڑے کے متعلق اتنے سخت اور

صاف الفاظ میں ۔ سے ناآشنا تھے وہ کچھ آگے بڑھا سید صاحب بھی جواب دیتے رہے۔ میں نے قصہ مختصر کرنے کیلئے تلاوت اور پھر نعت شروع کرادی کہ وقت تھوڑا ہے۔ جلسہ ہو جاوے ہم کو آگے جانا ہے۔ جب نعت ختم ہوئی عادت کے مطابق مجھے تقریر کرنا تھی اور پھر سید صاحب کو مگر اس دفعہ سید صاحب اٹھے اور بلند آواز سے مجھے کہا آج میں پہلے تقریر کروں گا۔ تقریر کیا تھی، اوّل سے آخر تک انہوں نے خوب خوب ان کی قلعی کھولی۔ ان کے آباد و اجداد تک کی انگریز پرستی کی داستان سنائی اور کھول کھول کر سنائی اور بار بار کہتے رہے کہ شیخ الحدیث مفتی محمود کے خلاف ان مجبوروں کے الزام پر اعتماد کرو۔ غرض گھنٹہ تقریباً بولے ہی نہیں برسے ۔ ایک طرف میری پریشانی ان کے ایک ایک جملے پر اس سے بڑھتی رہی کہ اگر خدانخواستہ ان کو ذرا بھی تکلیف پہنچائی گئی تو اس کی پوری ذمہ داری مجھ پر ہوگی کیونکہ میں اس ضلع کا باشندہ ہوں۔ اور اس معزز مہمان کے احترام و اکرام کی پوری ذمہ داری مجھ پر ہے۔ مگر دوسری طرف آپ کی جرأت صاف گوئی اور متزاید اطمینان پُرخوش بھی ہوتا رہا۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہاں بلا کسی ظاہری اسباب کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کرامت سے ان سب کو ساکت اور وامیت بنا دیا اور کسی کو کچھ بھی بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور یہ غیبی تائید یہ ہوئی کہ ہم نے عصر تک جلسہ ختم کر دیا اور ادھر سے جیپ بھی بن کر پہنچ گئی۔ یہ مرحوم کی جرأت کا نمونہ تھا اگلے پروگرام کی کڑی بھی مولانا کی ہمت کے ساتھ ملائیے کہ وہیں سے عصر کو روانہ ہوئے مغرب تک ایک بستی میں پہنچے، وہیں تقریباً بارہ بجے کے قریب جلسہ سے فراغت ہوئی، اسی وقت وہاں سے اونٹ پر چل دیئے۔ کیونکہ جیپ پھر خراب ہو گئی تھی ہم چند میل ہی گئے تھے کہ جیپ بن کر آگئی۔ اونٹ کو واپس کر دیا گیا۔ جیپ کچھ ہی چلی تھی کہ پھر ٹھہر گئی۔ اور ہم نے ریگستان کا وہ سفر رات کے اندھیرے میں پیدل طے کیا۔ سید صاحب نے ذرا بھی تو استنکاف نہیں کیا اور پوری خندہ پیشانی سے چلتے رہے صبح چار بجے پو پھٹنے سے قبل لاری کے اڈہ پر پہنچے وہاں سے اسی میل سفر کے بعد کلاچی پہنچے، یہیں جمعہ پڑھایا، اور پھر سائیکلوں کے ایک قافلہ کے ساتھ سائیکل ہی پر سفر کر کے رات کا جلسہ ایک بستی میں کیا گیا۔

بہرحال وہ ان کی جرأت تھی اور یہ ان کی ہمت ان خصائل اور فضائل کی وجہ سے وہ ہمیشہ مسابق الاقران اور منظورِ اعیان رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان کی تمام لغزشوں کو معاف فرمایا ہوگا۔ اور انہیں ان کی دینی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمایا ہوگا ــــــ سرحد کے پٹھانوں کو دینی سیاست پر لانے میں حقیقتاً مولانا مرحوم کا بڑا حصہ تھا۔ اور یہ ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ ۔

■■

ہمارا آئین اسلامی نقطۂ نظر سے

کیا عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے؟

از مولانا احمد عبدالحلیم کانپوری

نئے آئین نے عورت اور مرد کو بنیادی حقوق میں مساوی حیثیت دی ہے۔ جبکہ شریعت کئی باتوں میں اس "مساوات" کی قائل نہیں۔ اس مضمون میں آئین کی خامیوں میں سے ایک خامی کہ عورت بھی کلیدی مناصب اور صدارت اور امارت پر فائز ہو سکتی ہے۔ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (ادارہ)

قرآن مجید میں ہے کہ: الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا۔ مردوں کو عورتوں پر محافظ و نگران بنایا گیا ہے۔ (اگر کوئی کہے کہ کیوں تو اسکا ایک تو حاکمانہ جواب ہے) کہ اللہ نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (جسکا اسے پورا اختیار ہے) (دوسرا جواب حقیقی ہے کہ) اس سبب سے کہ مرد ان پر اپنا مال وغیرہ خرچ کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ مرد ہی عورت پر محافظ و حاکم ہے۔ عورت کے مقابلہ میں اسی کو اس کی صلاحیت دی گئی ہے۔

اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ: اخروھن من حیث اخرھن اللہ۔ تم بھی عورتوں کو پیچھے ہی رکھو جسطرح اللہ نے انہیں پیچھے رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم بہت پہلے پیدا ہوئے اور حضرت حوا ان کے بہت زمانہ کے بعد۔

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ مجوس نے اپنا سربراہ مملکت ایک عورت کو بنایا ہے۔ تو فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو سربراہ مملکت عورت کو بنائے گی۔ چنانچہ انہوں نے عنقریب ہی اس کا انجام

دیکھ لیا کہ ان کی سلطنت ہی جاتی رہی۔ خواہ عورت کتنی ہی قابل ہو اور خواہ وہ پہلے سربراہ مملکت سے کتنا ہی قریب رہتی ہو چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی قرب رکھنے پر بھی سربراہ مملکت نہیں بنائی گئیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و فضل اور عقل و دانش میں تمام اصحاب سے بالاتر تھیں۔ مگر وہ بھی اس سے سربراہ مملکت نہیں بنائی گئیں کہ وہ عورت تھیں۔ ان کے مقابلہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو سربراہ مملکت (خلیفہ) بالاجماع بنایا گیا حالانکہ امام ابن حزم کی تحقیق کے مطابق وہ صدیق اکبر سے بھی افضل تھیں۔ وہ اسکی دلیل میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ازواج مطہرات کو ایک عمل میں دو چند ثواب ہے۔ اور سب کو ایک عمل میں ایک ہی ثواب ہے اگر کسی اور کو ایک نیکی کا دس گنا ثواب ملے گا تو ازواج مطہرات کو بیس گنا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں فضیلت صرف نیکی پر ہے اور نیکی کی مقدار پر اس کا ثواب ہے۔ اس لئے عورت کا گورنر یا سربراہ مملکت بنانا احکام اسلام کی صریح مخالفت ہے۔ پھر عورت جب حاکم بنائی جائے گی تو یہ سب مفاسد پیدا ہوں گے:

۱۔ عورت کو حکم ہے کہ وہ اپنا بناؤ سنگار سوائے شوہر اور محارم کے کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کرے اور یہ حکومت کی حالت میں گوشہ نشین تو نہیں ہو سکتی۔

۲۔ اسے یہ بھی حکم ہے کہ وہ غیر محرم سے شیریں گفتگو نہ کرے۔ فلا تخضعن بالقول۔ اس سے یہ فساد پیدا ہوگا کہ جس کے دل میں بدکاری کا مرض ہے وہ اس کی خواہش کرے گا۔ فیطمع الذی فی قلبہ مرض۔

حدیث میں ہے کہ جو نامحرم سے مصافحہ کرے گا اس کے ہاتھ پر انگارہ رکھی جائیگی چنانچہ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنی خوشدامن ہند سے بیعت کرتے مصافحہ سے انکار فرمایا کہ: انی لا اصافح النساء۔ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ اور ان کا زنا نامحرم کو دیکھنا ہے۔ پھر تو یہ واضح واضح مفاسد کیا کم ہیں۔ مگر یہاں تو اسلام کا نام اپنے مقصد کے لئے لیا جاتا ہے عمل کے لئے نہیں لیا جاتا۔ چنانچہ یہاں تو حج جیسی مقدس عبادت کو بھی وفد میں ایک نامحرم عورت کو شامل کرکے داغدار بنا دیا گیا اور اس سے بڑھ کر سوائے سیر و تفریح۔ الاؤنس اور شاہی دعوتوں کے کچھ نہ ملا۔

حدیث میں ہے کہ لا تحجن امراۃ الا معہا محرم۔ یعنی بغیر محرم کی ہمراہی کے ہرگز کوئی عورت حج نہ کرے چنانچہ اس طرح کے حج کے سوا نہ حج تو ہوا نہیں صرف گناہ ہوا اور مصارف میں ٹیکس دینے والوں کا روپیہ برباد ہوا۔ اگر سات کروڑ کی آبادی میں ایک مرد بھی سربراہ مملکت کا اہل نہ ملا تو پھر ایسی بے بہرہ قوم کی بدقسمتی پر انتہائی افسوس ہے۔ یہاں تو جب کھانے کو کچھ نہ ملے اور فاقہ سے جان جانے کا یقین ہو تو اس وقت جان بچانے کے لئے سور کا گوشت بھی جائز ہے۔ مگر یہاں تو حج کا وفد ہی فضول اور اس

کے مصارف اسراف تھے۔ اس لئے جب مردوں کا سرکاری خرچ پر جانا فضول تھا تو پھر عورت کا بغیر محرم یا شوہر کے کیا ٹھکانا پھر یہ لوگ چار دن کے زمانۂ حج میں کسی کی صورت بھی نہیں دیکھ سکتے تھے تو اتنی ہزار کے مجمع سے بات کرنا بھی ممکن نہ تھا۔

الغرض سنت بلکہ فرض ہے کہ جسے جو منصب بھی دیا جائے وہ اس کا ماہر و اہل بھی ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کوئی منصب یا عہدہ اس کے ماہر ہی کے سپرد فرماتے تھے۔ پھر عورت اس لئے بھی کسی عہدہ کی شرعاً اہل نہیں کہ امیر کے فرائض میں نماز پنجگانہ و جنازہ کی امامت بھی ہے جو عورت کیلئے جائز نہیں ۔۔۔

دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عمل کا دہرا ثواب پاتے اور ام المومنین کے رتبۂ جلیلہ پر سرفراز ہونے کے باوجود وہ مفتی و معلم تو بنیں مگر خلیفہ نہ بنیں۔ حضرت صدیق بھی کبھی ان کے رتبۂ جلیلہ کے لحاظ سے ام المؤمنین اور کبھی اپنی لخت جگر کو بتقاضائے محبت پدری عائشہ کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔ چونکہ ہم نے بجائے کعبہ کے ترکستان کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے سنت الٰہی کے مطابق ہم کبھی فلاح نہیں پا سکتے کیونکہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہاں ایک فاضل مضمون نگار نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ اگر ہمارے مصائب اور شکست خوردگیاں ہمارے اعمالِ بد کی پاداش میں ہے تو پھر ہندوؤں کی فتح و کامرانی کون سے اعمال صالحہ کا صلہ ہے۔ یہ سوال نظر کی قلت اور اسلامی علوم سے ناواقفی سے پیدا ہوا ہے۔ میں اس کے جواب میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کے بعد انشاء اللہ کسی عامی کو بھی تردد نہ رہے گا ۔۔۔ دیکھئے اگر حکومت کا ملازم فوجی سپاہی میدان جنگ میں جانے سے انکار کرے تو اس کا کورٹ مارشل ہوگا اور گولی مار دی جائے گی۔ لیکن اگر رعایا میں سے کوئی شریک جنگ نہ ہو تو وہ مجرم نہیں۔ جب ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہم اسکی نافرمانی سے باغی و مجرم اور دنیا و آخرت میں مستحق سزا ہوں گے یہ مضمون قرآن کی متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر جب ہم اسے پڑھتے ہی نہیں تو عمل کیا کریں گے۔ جسطرح کوئی مجرم قانون سے اپنی ناواقفی کا عذر کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح شریعت سے جہالت کا عذر کر کے کوئی عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ بلکہ یہ دہرا گنہگار ہے۔ ایک جہالت اور دوسرے نافرمانی۔ واللہ المستعان۔

۱۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی قرار داد اور تقریر

۲۔ نوائے وقت کا اداریہ "نظریاتی استحکام"

قومی اسمبلی
میں
لادینی اور فحش لٹریچر پر پابندی
لگانے کی
قرارداد

۹ اگست بروز جمعرات قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی حسب ذیل قرارداد زیر بحث آئی، یہاں ہم قرارداد کا متن اور شیخ الحدیث مدظلہ کی تشریحی تقریر پیش کر رہے ہیں۔ "ادارہ"

قرارداد اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان بھر میں ایسے لٹریچر کی فروغ و اشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے جس سے مسلمانوں کے اخلاق وعقائد اور نظریۂ پاکستان متاثر ہو سکتے ہیں۔ نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔

تشریحی تقریر جناب سپیکر صاحب! میرے لئے یہ بات خوشی کی باعث ہے کہ آپ (صاحبزادہ فاروق علی صاحب) کے انتخاب کے بعد سب سے پہلے آپ کی نگرانی میں جو کارروائی ہو رہی ہے، وہ میری اس قرارداد سے ہے اس ایوان نے اب تک ایسے کئی قوانین بنائے ہیں۔ جس کا مقصد ملک کی سرحدات کی دشمن سے حفاظت ہوتی ہے۔ مملکت محفوظ ہو ملک کی سالمیت ہو سرحدات دشمن کی دسترس سے محفوظ رہیں اس لئے ہم فوج پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں اور اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت کی ہم سب کو توفیق دے۔

جناب عالی! جس طرح ملک کی سرحدات کی حفاظت اس ایوان اور ملک کا فرض ہے۔ اسی طرح یہ ملک جس نظریہ کے تحت بنا ہے اسکی حفاظت ضروری ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ ایک نظریہ کی حفاظت اور بقاء کے لئے جو اسلام کا نفاذ مذہب کی اشاعت اور بقاء ہے۔ الحمدللہ کہ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کو جس قوم نے بھی اختیار کیا وہ قوم دنیا میں باعزت رہی ہم اہل

سے پاک ہوتی اس نظریہ سے جرائم ختم ہوئے، عفت تقوٰی دیانت اور خداترسی پیدا ہوتی، صحابہؓ کے دور میں جن جن ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کیا اس کی حالت اور تاریخ آپ کے سامنے ہے ۔۔۔ تو اس نظریہ کی حفاظت اور تحفظ ملک کے تحفظ سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

لیکن جس طرح ہمارے مخالفین مملکت کی سرحدات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، اس طرح بیرونی طاقتیں ملک کے اساسی نظریات میں بھی شگاف ڈال رہی ہیں ۔۔۔ آج ہمارے ملک کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو چھرا گھونپ رہا ہے۔ گھر گھر میں عصبیت ہے۔ بازاروں میں بھی عصبیت ہے۔ اگر ہم نے اسلام کا نظریہ ابتدائے قیام پاکستان سے اپنایا ہوتا۔ اسلامی تعلیم اور اسلامی تبلیغ کو پھیلاتے تو یہ جھگڑے آج بازاروں اور ایوانوں میں نہ ہوتے۔

جناب عالی! ہمارے ملک میں اندر سے اور باہر سے ایسا لٹریچر پھیل رہا ہے جو ہمارے بنیادی نظریات کے خلاف ہیں۔ ہمارے نظریہ کے تین اساس ہیں۔ اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ کی رسالت اور ختم نبوت کہ وہ سید الرسل اور خاتم النبیین ہیں، قرآن کریم کا آخری کتاب خداوندی ہونا۔ مگر اس ملک میں خدا کی وحدانیت اور وجود کے خلاف لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ کتابیں رسالے پھیل رہے ہیں۔ اسی طرح رسالت جیسے قطعی مسئلہ میں بھی بحثیں ہو رہی ہیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کو متنازعہ بنایا جاتا ہے۔ انبیاء کی عزت اور شان کے خلاف ایسا لٹریچر شائع ہوتا ہے کہ اس میں نہایت گستاخی اور بے ادبی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اساسی چیز ہے۔ مگر ہمیں بیرونی ممالک اطلاع دیتے ہیں کہ پاکستان کے مطبوعہ نسخوں میں تحریف ہو رہی ہے۔ نیپال سے بھی ایسی شکایات آئیں پچھلے ہفتہ بلوچستان میں جو فسادات ہوئے اسکی وجہ یہی ہے اور یہ بات ثابت ہوئی کہ تحریف شدہ قرآن کریم کے نسخے (قادیانیوں کے ذریعہ) تقسیم ہو رہے ہیں۔ بیرونی ممالک سے ایسا لٹریچر آتا ہے۔ جو سراسر بنیادی نظریات کے خلاف ہے۔ جبکہ مذہب اور بنیادی لٹریچر کو بالکل بند کر دینا چاہیئے تھا۔

دوسری بات یہ کہ آج اس ملک میں جرائم بڑھ رہے ہیں اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ نوجوان کو اپنے مذہب اور تعلیم کی خبر نہیں اور لٹریچر کے ذریعہ فحاشی چوری ڈکیتی خود غرضی سیکھ رہے ہیں۔ ایسا لٹریچر ناولوں کے ذریعہ فحش عریاں تصویروں میں اخبارات میں سینماؤں فلموں میں وہ چیزیں بتائی جاتی ہیں جنہیں ایک مسلمان دیکھ کر برداشت بھی نہیں کر سکتا۔ ہمارا معاشرہ ایسا بے پردہ ہوگیا ہے کہ جیسا پچھلے دنوں ایک اخبار میں ایک تصویر چھپی کہ ایک عورت اوپر سے چھتری لئے ہوئے ہے

اور بیچ سے بالکل ننگی ہے ـــــ اور جب قوم کے شہوانی جذبات ابھرتے ہیں تو شراب، کباب کی ضرورت ہوتی ہے۔ فحاشی کے جذبات برانگیختہ کرنے کے بعد اور فحاشی پھیلانے کے بعد وہ اپنی عیاشی کے لئے روپیہ کہاں سے لائے گا؟ لازماً حرام اور ناجائز ذرائع استعمال کرے گا۔ لوٹ مار اور عوام تورہی پھیلے گی۔ کل ہی ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آرہا تھا۔ راستہ میں ایک سینما پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب یہ پاکستان بنایا یا انگلستان۔ لوگ بھوک سے مررہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ سوائے عشق لڑانے، مار دھاڑ ڈکیتی کے اور کچھ مشغلہ ہی نہیں فلموں میں بھی کچھ تو سکھایا جاتا ہے۔ شمالی آئرلینڈ میں ایک خاتون رکن اسمبلی کنواری تھی اور حاملہ ہوگئی۔ کسی نے پوچھا آئندہ بھی انتخاب لڑوگی کہا ضرور، میں ایک مقصد رکھتی ہوں اس کے لئے جدوجہد کروں گی۔ کسی نے کہا کہ تم اس بچے کے اسقاط کے لئے تیار ہو۔ اس نے کہا میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں۔ یہی انداز فکر یہاں بھی آرہا ہے کہ ذاتی زندگی پر نہ کوئی پابندی رہے نہ کسی قسم کا قدغن۔

پچھلے مارشل لاء کے دور میں ایک گورنر کو میں نے ایک نئے سینما قائم ہوجانے کے بارہ میں شکایت کی کہ عام مسلمانوں کے اخلاق اس سے تباہ ہوں گے۔ اور اس طرح غریبوں کی جیبوں پر بلاضرورت ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ گورنر صاحب نے مجھے کہا کہ یہ غریب تفریح بھی نہ کریں گے۔ یہ تو تفریح کا ایک ذریعہ ہے۔ تو جب یہ انداز فکر ہو تو قوم کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے۔؟

الغرض ہمارا مذہب براڈکاسٹ ہے وہ نہ تو چوری ڈکیتی کی اجازت دیتا ہے نہ عصبیت جاہلیت کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے وہ تمام دواعی اور محرکات جو برائیوں کے پنپنے کا سبب بنتی ہیں، اس ایوان کی وساطت سے بند کردینی چاہئیں۔ بیشک ہمارے وزیر اطلاعات نے اخبارات کو فحش لٹریچر کے سلسلہ میں چٹھی بھیجی ہے۔ مگر یہ تو وعظ و نصیحت سے مشکل ہے۔ صرف اس سے کام نہیں چلتا، قانونی پابندی لگا دینی چاہئے۔ ایک افسر نے پچھلے سال کہا کہ رمضان ہے، ناچ گانا جاری ہے۔ مگر میرے پاس اسے بند کرنے کیلئے کوئی قانون نہیں تو قانونی ممانعت لازمی ہے۔ اس طرح قرآن و حدیث کے خلاف اسلام کے خلاف صحابہ کرام کے خلاف اندرونی اور بیرونی ہر قسم لادینی نظریات اور فحاشی پھیلانے والے لٹریچر کی اشاعت اور باہر سے برآمدی فلموں کی تشہیر ممنوع قرار دی جائے۔ اب تو جو کچھ کیا جارہا ہے۔ وہ ہرگز کافی نہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی تقریر کے بعد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے قرارداد میں فحش تصاویر اور اشتہارات کے اضافہ کی ترمیم پیش کرنی چاہی۔ شیخ محمد رشید وزیر صحت

نے ترمیم شامل کرنے کی مخالفت کی اسپیکر نے کہا کہ مخالفت پیش ہونے کے ساتھ کرنی چاہیے تھی اب مولانا عبدالحق محرک قرارداد اسے قبول کرنا چاہیں تو اسے شامل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ محرک قرارداد نے بخوشی قبول کرلیا خود مولانا عبدالحق کے علاوہ مولانا غلام غوث ہزاروی مولانا محمد علی رضوی صاحبزادہ احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت میں پرزور تقریریں کیں۔ پیپلز پارٹی کے جناب حاکم علی زرداری نے قرارداد کی سختی سے مخالفت کی۔ ابھی بحث جاری تھی کہ وفاقی وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے تجویز پیش کی اور کہا کہ عبوری آئین ختم ہونے والا ہے۔ ۱۴ر اگست کے بعد مستقل آئین نافذ ہوگا تو اور پوزیشن ہوگی۔ اس لئے میں مولانا عبدالحق سے گذارش کروں گا کہ آج ان قراردادوں کو ملتوی کرایا جائے۔ اسے ایجنڈے ہی پر رہنے دیا جائے اور آئین کے نفاذ تک اسے ملتوی کردیں۔ مولانا نے کہا کہ میں وزیر قانون کی یقین دہانی پر واپس تو نہیں لیتا مگر ملتوی رکھنا قبول کرتا ہوں۔

ایجنڈے پر مولانا کی دیگر تین قراردادوں کا تعلق شراب نوشی، ناچ گانا، ثقافتی طائفوں کے تبادلہ قمار جوا، گھوڑ دوڑ پر پابندی اور سودی نظام کو ختم کرنے کیلئے ایک ایسی کمیٹی تشکیل دینے سے تھا جو چھ ماہ کے اندر اندر متبادل تجاویز پر مشتمل رپورٹ پیش کرے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی قرارداد پر عوام نوائے وقت کی رائے

قومی اسمبلی نے مولانا عبدالحق کی طرف سے پیش کردہ ایک غیر سرکاری قرارداد پر غور مرکزی وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کی اس یقین دہانی پر ملتوی کردیا ہے کہ حکومت مستقل آئین کے بعد اس قرارداد پر بحث کے لئے تیار ہوگی۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ ایسے تمام لٹریچر پر پابندی عائد کردی جائے اور اسکی سختی سے روک تھام کی جائے جس سے مسلمانوں کے اعتقادات اور نظریۂ پاکستان پر زد پڑتی ہو۔ نیز ہر قسم کے عریاں لٹریچر پر بھی پابندی لگائی جائے۔

پاکستان کا کوئی بھی ذی عقل اور باشعور شہری اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔ کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اور یہ اسلام کی بدولت ہی قائم و دائم رہ سکتا ہے۔ اسلامیان برصغیر نے کائنات ارضی کا یہ خطہ "ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک ملک، ایک قوم" کے نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا۔ اور اسی نظریہ کے سہارے یہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ہم اس وقت ان المناک حالات و واقعات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جن سے ہمیں اس نظریہ کا دامن چھوڑ کر دوچار ہونا پڑا۔ اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ ہم نے اسلامی قومیت کے مقابلہ میں بنگالی قومیت کا تصور قبول کرکے سقوط

مشرقی پاکستان کے اندوہناک المیہ کے لئے راہ ہموار کی تھی اور اب بھی اگر ہم نے اس ٹھوس بنیاد کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا جس پر پاکستان کی عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ تو پھر ہمیں تباہی کے بھیانک غار میں گرنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ صدر بھٹو اور ان کے رفقاء اگر "نئے پاکستان" کو زندہ و پائندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں سب سے پہلے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنا پڑے گی۔ اس نظریہ پر پامردی سے گامزن ہو کر ہم ایک مضبوط و فعال اور جاندار قوم بن سکتے ہیں۔ وگرنہ ہماری حیثیت ایک ہجوم بے لگام سے زیادہ نہیں ہوگی۔

پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر اس وقت مختلف اطراف سے یلغار ہو رہی ہے۔ ایک مغرب کی "ماڈرن ازم" کی یلغار ہے۔ عریاں فحش اور "منکلڈ" لٹریچر کی یلغار ہے۔ "انڈو سوویٹ" لابی کی طرف سے سیاسی "پروپیگنڈے" کی بھی یلغار ہے۔ اس خطۂ ارضی کے مسلمانوں کو "وطنیت" اور "قومیت" کے بتوں کا پرستار بنانے کے لئے علاقائی تہذیبوں اور ثقافتوں کی یلغار ہے۔ ان سب یلغاروں کا مقصد و نصب العین صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کے نام پر جمع ہونے والے ان پاکستانیوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیا جائے انہیں غیر اسلامی نظاموں میں عیش و عشرت کی زندگی کے سراب دکھا کر سہل انگار بنا دیا جائے۔ لہو و لعب میں الجھا دیا جائے۔ جنسی لذتیت کے شیدائی بنا دیا جائے اس کے لئے یہود و ہنود، کمیونسٹ اور متعصب عیسائی بھی پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر مار کر رہے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ نتائج سے بے پرواہ ان کے دام صد رنگ میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ ہماری فلمیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اکثر و بیشتر اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس راہ پر گامزن ہو رہے ہیں۔ یہ ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گی۔ ہم ارباب اقتدار و اختیار سے صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو کوئی سوشلزم (خواہ اسے کتنا ہی سبز غلافوں میں لپیٹ کر اسلامی سوشلزم کا نام دیا جائے۔) کوئی "سیکولرازم" وغیرہ نہیں چل سکتا۔ پاکستان کو اگر بچانا ہے تو پھر اسلام کی راہ اختیار کرنا پڑے گی۔ ہمیں اپنے قول و فعل اور کردار و عمل کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہوگا ــــ ہمیں نظریات کی اسی طرح حفاظت و نگہبانی کرنا ہوگی جس طرح سوویٹ یونین میں کمیونسٹ اپنے نظریہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے لئے اگر ہمیں اسلام کے منافی لٹریچر تو کیا اگر اسلام دشمنوں کا ملک میں داخلہ بند کرنے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے والے "پاکستانیوں" کو جلا وطن بھی کرنا پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

(نوائے وقت لاہور/راولپنڈی ۱۱ اگست ۱۹۷۳ء)

قومی اسمبلی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

کے

سوالات

اور وزراء کے

جوابات

غیر مسلم اقلیتی سرگرمیاں
سوالات اور جوابات دونوں دعوت فکر دے رہے ہیں۔

★

سوال نمبر ۵۴۶ ۔ مورخہ ۷ / جولائی ۱۹۷۳ء ۔ کیا وزیر اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ پاکستان میں عیسائی مشنری ادارے مسلمانوں کو منظم طریقے سے عیسائی بنا رہے ہیں ___ ؟

(ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ ارتداد کے پرچار کی بدولت عیسائی بننے والے مسلمانوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے ۔ ؟

(پ) آیا یہ امر واقع ہے کہ مشنری سکول، کالج، گرجے اور تمام دیگر عیسائی ادارے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے روپیہ، جائیداد یا ملازمت کی پیش کش کر رہے ہیں ۔ ؟

(ت) کیا حکومت ایسے ملکی یا غیر ملکی مشنری اداروں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے ۔

جواب :- وزیر اقلیتی امور و سیاحت ___ (الف) حکومت کو علم ہے کہ ہر عقیدے کے مشنری ادارے عام طور پر اپنے اپنے عقیدہ کا پرچار کرتے ہیں ۔ حکومت کو تاہم یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ۔ کہ مسلمانوں کے مرتد ہو کر عیسائی ہونے کے کافی واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں ۔ صوبائی حکومتوں سے معلومات کرنے پر پتہ چلا ہے ۔ کہ ایک عقیدہ کی بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنے کے واقعات کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا ۔ اور اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنے کا کوئی واقعہ صوبائی حکومتوں کے علم میں نہیں آیا ۔ بجز بلوچستان کے جہاں گزشتہ چار سال کے عرصہ میں ایسے چار واقعات ہونے کا علم ہوا ہے ۔

(ب) حکومت کے علم کے مطابق ایسا نہیں ہو رہا ہے ۔

(پ) ایسا کوئی واقعہ حکومت کے علم میں نہیں آیا ۔

باقی ص۵۳ پر

قومی اسمبلی

میں

شیخ الحدیث مولانا

عبدالحق

کے

مسترد شدہ سوالات

قومی اسمبلی سیکرٹریٹ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے کئی اہم سوالات مسترد کردئے جن میں سے بعض یہ ہیں۔ "ادارہ"

سرظفراللہ اور بنگلہ دیش | کیا متعلقہ وزیر ارشاد فرمائیں گے کہ :

۱۔ کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان نے سرظفراللہ کو عالمی عدالت میں بنگلہ دیش کے قیدیوں کے مسئلہ میں ایڈھاک جج مقرر کیا ہے۔؟

۲۔ کیا سرظفراللہ پاکستان کے مسلمانوں کی غیر پسندیدہ شخصیت نہیں۔؟

۳۔ بنگلہ دیش کے قیام سرظفراللہ کی جماعت کے کردار کے بارہ میں افواہوں اور چہ میگوئیوں کا حکومت کو علم ہے۔؟

۴۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام ظفراللہ کی جماعت کو دونوں حصوں میں نفرت پیدا کرنے کا بنیادی سبب سمجھتے ہیں۔؟

۵۔ کیا ظفراللہ جیسی متنازعہ شخصیت کی متبادل کوئی معتمد شخصیت ایسے نازک مقدمہ کیلئے نہیں مل سکتی تھی۔؟

تعطیل جمعہ | ۱۔ کیا وزیر داخلہ ارشاد فرمائیں گے کہ قومی اسمبلی نے تعطیل جمعہ سے متعلق کوئی قرارداد منظور کر کے کمیٹی کے سپرد کی ہے۔؟

۲۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اس کی میعاد بڑھا دی گئی تھی۔؟ اس کمیٹی کی اب تک کارکردگی کیا ہے؟

۳۔ اور کیا وہ کمیٹی کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچ سکی ہے۔؟

۴۔ کمیٹی کب تک اپنا فیصلہ دے گی۔؟

غیر ملکی فلمیں اور زرمبادلہ | ۱۔ کیا مرکزی وزیر اطلاعات وفلم بتائیں گے کہ موجودہ حکومت نے غیر ملکی فلموں

کی درآمد پر کتنا زرِ مبادلہ خرچ کیا۔ ؟

۲۔ اور بیرونِ ملک پاکستانی فلموں کی نمائش سے کتنا زرِ مبادلہ کمایا ؟

قرارداد اقلیت آزاد کشمیر | ۱۔ کیا وزیرِ داخلہ وضاحت فرمائیں گے کہ کیا حکومت کو قادیانیت کو اقلیت قرار دینے کے بارہ میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا علم ہے۔ ؟

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے عام مسلمانوں نے اس قرارداد کو سراہا اور آزاد کشمیر اسمبلی کو پُرجوش تحسین اور مبارکباد پیش کی۔ ؟

۳۔ کیا مرکزی حکومت پاکستان سے بھی اس طرح اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو حکومت اس بارہ میں کیا غور کر رہی ہے ؟

۴۔ یہ اخباری افواہیں کہاں تک صحیح ہیں کہ مرکزی حکومت کے ایک وزیر نے صدر آزاد کشمیر کو یہ قرارداد واپس لینے کے مشورے دئے۔ ؟

جشنِ آئین اور شراب نوشی | ۱۔ کیا وزیرِ قانون و پالیمانی امور وضاحت فرمائیں گے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں سرکاری سطح پر منائے جانے والے جشنِ آئین کی تقریبات میں شراب نوشی، ناؤ نوش، رقص و سرود اور بے حجابانہ مناظر کا مظاہرہ ہوا۔ ؟

۲۔ کیا ان باتوں سے آئین کا اسلامی تقدس اور عظمت پامال نہیں ہوئی۔ ؟

۳۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت نے ایسے امور کے انسداد کے لئے کیا کچھ کیا۔ ؟

وزارت امورِ خارجہ | ۱۔ کیا سری لنکا کے پاکستانی سفارتخانے نے جشنِ آئین کی کوئی تقریب منائی تھی۔۔۔ ؟

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اس میں شراب پیش کی گئی اور مسلمان شرکاء نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ ؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ وہاں کے اخبارات میں ایک اسلامی ملک کے اسلامی آئین کے متعلق تقریب کے اس غیر اسلامی حرکت کی شدید مذمت کی گئی تھی۔ ؟

۳۔ اگر ایسا ہے تو حکومت نے اس کے تدارک کیلئے کیا اقدامات کئے۔ ؟

بقیہ: تقریر | نمازیں پڑھیں حج کیا مگر مسلمانوں کو ڈرایا تم نے تم زبان سے ایسی باتیں نکالتے ہو جیسے بچھو ڈنک مارتا ہے اور ایک شخص آئے گا کہ نمازیں کم ہوں گی ڈر پیش ہوگا حکم ہوگا کہ لے جاؤ اسے جنت میں اسے وہ پوچھے گا یہ دن ہوگا کہ میں تو بڑا مجرم اور قصوروار ہوں یہ کیا معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے مسلمانوں میں مصالحت کی کوشش کی آج ہر ایک بچھو بنا ہوا ہے۔ دلوں میں بے چینی اسی وجہ سے ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلا کر آپس میں شفیق کر دے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا قاری فیوض الرحمٰن ایم ۔ اے

تذکرہ اساتذہ دار العلوم

قسط ۳

حضرت مولانا فضل مولیٰ صاحب مدظلہٗ ساکن چپیر آزاد قبائل ، ملحقہ ہزارہ

ولادت | آپ ۱۹۳۲ء میں موضع "چپیر" علاقہ پیجزئی آزاد قبائل ملحقہ ہزارہ میں جناب زرداد صاحب صدیقی کے ہاں پیدا ہوئے ۔

ابتدائی تعلیم | آپ نے ابتدائی تعلیم "بدبا" کے مولانا ریحان الدین صاحب اور "بلکوٹ" کے مولانا مظفر حسین صاحب سے حاصل کی ۔ پھر "شنگی" کے مولانا عمر شاہ صاحب سے بھی استفادہ کیا ۔

دار العلوم اسلامیہ سوات میں | پھر آپ دار العلوم اسلامیہ سوات میں پہنچے تو وہاں کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث حضرت مولانا خان بہادر المعروف بہ "مارتنگ ملّا" سے شرح عقائد ، خیالی ، حمد اللہ ، قاضی مبارک ، امورِ عامہ ، جلالین ، مشکوٰۃ ، ترمذی اور بخاری شریف پڑھیں ، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مرحوم نائب صدر مدرس سے مطول اور مسلم شریف و بخاری شریف جلد ۲ ، مولانا رحیم اللہ صاحب سے شرح عقائد ، میبذی اور مرزا قطبی ، مولانا فضل حق صاحب کوہستانی سے میر زاہد اور ملّا جلال ، مولانا عبد اللہ صاحب کوہستانی سے السبع المعلقات ، مولانا بازارگی صاحب سے تصریح شرح چغمینی اور ابوداؤد شریف اور مولانا لطافت الرحمٰن صاحب سواتی سے ترمذی جلد ۲ پڑھیں ۔ ۱۳۸۶ھ میں اسی مدرسہ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی ۔

دار العلوم حقانیہ میں تدریس کا آغاز | فراغت کے بعد دار العلوم حقانیہ میں تدریس پر مامور ہوئے ، ۱۹۶۵ء سے لیکر اب تک اسی دار العلوم میں نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ تفسیر ۱۹۶۹ء میں حضرت الاستاذ حافظ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی

دامت برکاتہم سے پڑھی۔

صوفیانہ مسلک | سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا خان بہادر صاحب مدظلہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

سیاسی مسلک | جمعیۃ علمائے اسلام کے سرگرم رکن ہیں۔

تصنیفی خدمات | آپ نے پشتو زبان میں اپنے فاضل استاذ علامہ مارتنگ ملا صاحب کی سوانح مرتب کی ہے۔ آپ نے چھ سال تک ان سے پڑھا اور پھر حالیہ تعطیلات کے دوران ان سے ملاقات کر کے "ان کی کہانی ان کی اپنی زبانی" قلمبند کی۔ اس کی تین قسطیں ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکی ہیں، ——— ماہنامہ الحق بابت ماہ شوال ۱۳۹۲ھ سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ روایت آپکی اور ترجمہ "ادارہ" کی طرف سے ہے۔ شائقین مفصل پڑھنا چاہیں تو "الحق" کے ان شماروں کا مطالعہ فرمائیں

حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب ایم اے ابن شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ولادت | آپ ۱۹۴۳ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | پہلے سکول کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سکول کی تعلیم کے ساتھ حفظِ قرآن شروع کیا اور سکول کی تعلیم کے اختتام پر آپ کلام پاک کے حافظ ہو گئے۔ پھر دارالعلوم حقانیہ میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ دورۂ حدیث سے قبل، دو سال کے لئے جامعہ اسلامیہ بہاولپور تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے "عالمیہ" (ہمائش بی۔اے) کیا، اسی عالمیہ کی بنیاد پر آپ نے ۱۹۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات درجہ دوم میں پاس کیا۔ دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ ہی میں پڑھا۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں تدریس شروع کی۔ ان دنوں شرح وقایہ، مقامات، ہدایۃ النحو، نفحۃ العرب اور اصول الشاشی زیرِ درس ہیں۔

مولانا محمد صادق صاحب فاضل دارالعلوم حقانیہ

والد ماجد کا نام احمد خان مرحوم اور پیشہ زمینداری تھا۔ ولادت موضع تارو گے تحصیل خوازہ خیلہ ضلع سوات میں ہوئی۔ ابتدائی تحصیل علوم چکیسر کے مولانا عبدالقادر صاحبؒ مرحوم مولانا محمد نذیر صاحبؒ حق صاحب مرحوم اور دیگر اساتذہ سے کی۔ پھر سوات کے لاغار بابا مولانا عبدالمنان بن کا کافیہ پر حاشیہ شافیہ ہے سے علم حاصل کیا۔ سات برس سیدو سوات کے مدرسہ حقانیہ میں علامہ مولانا مارتونگ صاحب۔ اور مولانا عبدالحلیم اوڑھی گرامی شارح مطول اور دیگر

باقی ص ۴۱ پر

احوال وکوائف دارالعلوم

از آقائی محمد حسین تسبیحی - ایران

دارالعلوم حقانیہ

ـــــــ ایک ایرانی اخبار کی نظر میں ـــــــ

تہران ایران سے شائع ہونے والے اخبار " فردا " کے ایک تازہ شمارہ میں جناب محمد حسین تسبیحی صاحب کے قلم سے دارالعلوم حقانیہ کے بارہ میں حسب ذیل تاثراتی مضمون شائع ہوا ہے۔ ہم ایرانی اخبار اور مضمون نگار کے ان مخلصانہ جذبات کے تہ دل سے ممنون ہیں ـــــ۔ " ادارہ "

دارالعلوم حقانیہ یکے از مراکز علوم اسلامی پاکستان در شہر اکوڑہ خٹک است۔ مسئول و مؤسس این دارالعلوم ، مولانا عبدالحق است . ہم اکنون نمائندہ مجلس شورا ملی پاکستان نیز می باشد ـــ وقتیکہ باین مدرسہ وارد گشتم ، اورا دیدم کہ حلقہ درس تشکیل دادہ و بیش از ... طالب علم گرد او حلقہ زدہ اند۔ وی با خوش وشئہ مرا پذیرفت و محبت فراوان فرمود و این چند جملہ را بہ زبان فارسی در دفتر من یادداشت کردہ ۔

" ـــــ بیش از حد مسرور شدم کہ یک نفر از ایران مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان بہ این مدرسہ اسلامی آمدہ است مملکت خداداد ایران و باشندگان آن در حق پاکستان و طلبۂ علوم دینیہ خصوصاً در بارہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بسیار خیرخواہ و ہمدرد ہستند۔ خداوند کریم پاکستان و ایران کہ برادران مشفق ہستند ، متفق و سرسبز گرداند و از آفات و بلیات محفوظ دارد . عبدالحق عفی عنہ "

دارالعلوم حقانیہ در حال حاضر ۱۰۵۰ طلبہ و ۳۲ مدرس (استاد) دارد کہ از قرآن خوانی آغاز می کنند و تا درجہ اجتہاد می رسند . وسائل زندگی و غذا و خوابگاہ از ہر جہت در مدرسہ آمادہ است و در سال ۲۱۲۶۲۰ روپیہ خرچ می شود .

علاوہ بر پاکستان از ایران و افغانستان و تایلند ہم در این مدرسہ تحصیل می کنند۔ بسیاری از

بزرگان اسلامی وعلمائے دینی از این مدرسه دیدن کرده اند۔ مجله الحق بہ ماہیہ مطالب وموضوعاتی ارزنده در علوم اسلامی از اداره انتشارات مدرسه حساب می شود۔

کتاب خانه دارالعلوم حقانیه ۳۲۹۰ جلد کتاب چاپی (عربی وفارسی واردو وپشتو) در چهل وشش علم اسلامی و ۱۹۷ نسخه خطی دارد۔ آقائے گل رحمان کتابدار کتاب خانه توضیح داد که کتابهائے دیگر ہم از ممالک اسلامی خریده ایم که بزودی می رسد۔ فہرست نسخه ہائے خطی کتاب خانه حقانیه از طرف مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان تہیه خواہد شد۔

از کلاس ہائے دارالعلوم حقانیه دیدن کردم۔ شور وعشق واشتیاق طالب علمان در تحصیل علوم اسلامی وصف ناپذیر است، کلیه طالب علمان روی دور استاد تدریس می نشینند وبمانند مکاتب قدیم به درس گوش می دہند وبه بحث وفحص می پردازند۔ بر دیوارہائے کلاس ہائے درس جملاتی به زبان ہائے عربی وپشتو وفارسی واردو به خط خوش نستعلیق وثلث نقش بسته بود از جمله:

۱۔ باادب بالنصیب ، بے ادب بے نصیب۔

۲۔ کار دنیا کسے تمام نه کرد۔

۳۔ ہر چه گیرید مختصر گیرید۔

۴۔ مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر۔

۵۔ نابرده رنج گنج میسر نمی شود۔ مزد آں گرفت جاں برادر که کار کرد

۶۔ په خیر راغلے (پشتو، یعنی خوش آمدید)

۷۔ ہر کله راشی (پشتو، ہمیشه بیائید)

۸۔ ہزار بار بشویم دہان به مشک وگلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

سعودی عرب کی وزارتِ تعلیم کا وفد دارالعلوم میں

مولانا سلطان محمود

۲۳ اگست کو اچانک سعودی عرب کی وزارت تعلیم، اوقاف اور بحوث الاسلامیہ کا ایک معزز وفد دارالعلوم تشریف لایا۔ وفد کے ارکان میں سعودی عرب کے ممتاز اصحاب علم وفضل الاستاذ محمد ابراہیم العلیفج مدیر التوعیۃ الاسلامیہ وزارۃ المعارف الریاض، الاستاذ عبدالحسن وزارۃ الحج والاوقاف مکہ مکرمہ الاستاذ عبدالمحسن بن ابراہیم آل الشیخ مندوب البحوث الاسلامیہ والافتاء الریاض شامل تھے۔ دفتر اہتمام میں مولانا سمیع الحق مدیر الحق واساتذہ دارالعلوم نے انہیں دارالعلوم کے تفصیلی حالات سے روشناس کیا۔ بعد میں وفد نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں، عمارات، تعلیمی نظام، کتب خانہ اور دفتر الحق کا معائنہ کیا۔ دارالحدیث میں وفد نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سے ملاقات کی اور ان کی درس حدیث سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ طلبہ کی خواہش پر وفد کے ارکان میں سے استاذ محمد ابراہیم نے برجستہ تقریر فرمائی جس میں یہاں آمد پر اپنی مسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ علم دین اور علماء کی فضیلت اور اس پرفتن دور میں ان کی ذمہ داریوں، عالم اسلام کے اتحاد کی ضرورت اور حکومت سعودی عرب کے دینی جذبات اور احساسات پر روشنی ڈالی، وفد نے دارالعلوم کی کتاب الآراء میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا: الحمد للہ الذی انزل الذکر وحفظہ والصلٰوۃ والسلام علی من جاھد فی اللہ حق جہادہ حتی اتم اللہ بہ الدین واکمل بہ النعمۃ۔ وبعد فقد سررنا کثیراً بما سمعناہ وشاھدناہ فی ھذا المعھد الشامخ الذی یتخرج فیہ طلاب العلم والمعرفۃ لتخرج افواجاً الی الناس تدعوا الی اللہ علی علم وبصیرۃ ونعتقد ان لھذہ الدار الکریمۃ ابلغ الاثر فی مثل ھذا الموقع البعید عن صنوعات المدن وصخبھا وفق اللہ القائمین علیہ لخدمۃ الاسلام والمسلمین۔

۲۳ / ۷ / ۱۳۹۲ھ

محمد ابراہیم العلیفج	عبدالحسن	عبدالمحسن بن ابراہیم آل الشیخ
مدیر التوعیۃ الاسلامیہ	مدیر التوعیۃ الاسلامیہ	مندوب البحوث الاسلامیہ
وزارت المعارف الریاض	وزارۃ الحج والاوقاف	والافتاء الریاض
	بالمملکۃ العربیہ السعودیہ	